ماہنامہ
# پیام عرفات
رائے بریلی

## ہندوستانی مسلمانوں کا فیصلہ!

''ہم مسلمانوں نے پورے عزم کے ساتھ سوچ سمجھ کر اپنے وطن ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے، ہمارے اس فیصلہ کو ارادۂ الٰہی کے سوا کوئی طاقت نہیں بدل سکتی، ہمارا یہ فیصلہ کسی کم ہمتی، مجبوری یا بے چارگی پر مبنی نہیں، ہم نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔

........اس ملک کے باشندے کی حیثیت سے ہمیں یہاں آزادی اور عزت کے ساتھ رہنے کا پورا حق حاصل ہے، یہ اس ملک کی جمہوریت اور دستور و آئین کا بھی فیصلہ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اپنی خصوصیات، قانون شریعت، احکام دین، اپنے عقائد و شعائر، اپنی زبان و تہذیب اور اپنی ان چیزوں کو چھوڑ کر جو ہم کو عزیز ہیں اس ملک میں رہیں، اس طرح رہنے سے یہ وطن، وطن نہیں بلکہ ایک جیل خانہ اور قفس بن جاتا ہے، جس میں گویا پوری قوم کو زندگی کی عزتوں اور لذتوں سے محروم رکھ کر سزا دی جاتی ہے، ہمارا خمیر ضرور اس ملک سے تیار ہوا ہے اور یہ خاک ہم کو بہت عزیز ہے، لیکن ہماری تہذیب ابراہیمی ہے اور مسلمان جس ملک میں رہے گا اس کی وطنیت خواہ کچھ ہو، اس کی تہذیب ابراہیمی ہوگی، ہم یہاں زندہ اور باعزت انسانوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں، ہم اس ملک میں آزاد ہیں، اس کی تعمیر و ترقی اور دستور سازی میں شریک ہیں، اس لیے اس کا کوئی سوال نہیں کہ ہم دوسرے درجہ کے شہریوں کی طرح زندگی بسر کریں، اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ زندگی گزارنا ہر شخص کا فطری، انسانی، اخلاقی اور قانونی حق ہے اور اس حق کو جب بھی چھیننے کی کوشش کی گئی تو اس کے ہمیشہ سنگین نتائج نکلے..............''

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

NOV 16

₹10/-

مركز الإمام أبي الحسن الندوي
دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

# آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

## اغراض ومقاصد

ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ اور شریعت ایکٹ کے نفاذ کو قائم اور باقی رکھنے کے لیے مؤثر تدابیر اختیار کرنا۔ بالواسطہ، بلا واسطہ یا متوازی قانون سازی جس سے قانون شریعت میں مداخلت ہوتی ہو، عام ازیں کہ وہ قوانین پارلیمنٹ ریاستی مجلس قانون ساز میں وضع کیے جاچکے ہوں یا آئندہ کیے جانے والے ہوں یا اس طرح کے عدالتی فیصلے جو مسلم پرسنل لا میں مداخلت کا ذریعہ بنتے ہوں انہیں ختم کرانے یا مسلمانوں کو ان سے مستثنیٰ قرار دیے جانے لہ جدوجہد کرنا۔

مسلمانوں کو عائلی ومعاشرتی زندگی کے بارے میں شرعی احکام وآداب، حقوق وفرائض اور اختیارات وحدود سے واقف کرانا اور ان سلسلہ میں ضروری لٹریچر کی اشاعت کرنا۔

شریعت اسلامی کے عائلی قوانین کی اشاعت اور مسلمانوں پر ان کے نفاذ کے لیے ہمہ گیر خاکہ تیار کرنا۔

مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی تحریک کے لیے بوقت ضرورت ''مجلس عمل'' بنانا جس کے ذریعہ بورڈ کے فیصلہ درآمد کرنے کی خاطر پورے ملک میں جدوجہد منظم کی جاسکے۔

علماء وماہرین قانون پر مشتمل ایک مستقل کمیٹی کے ذریعہ مرکزی یا ریاستی حکومتوں یا دوسری سرکاری یا نیم سرکاری اداروں کے ذریعہ نافذ کردہ قوانین اور گشتی احکام (Circulars) یا ریاستی اسمبلیوں اور پالیمنٹ میں پیش کیے جانے والے مسودات قانون (بل) سے اس نقطۂ نظر سے جائزہ لیتے رہنا کہ ان کا مسلم پرسنل لا پر کیا اثر پڑتا ہے۔ مسلمانوں کے تمام فقہی مسلکوں اور فرقوں کے مابین خیرسگالی، اخوت اور باہمی اشتراک وتعاون کے جذبات کی نشوونما کرنا، اور مسلم پرسنل لا کی بقا وتحفظ کے مشترکہ مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ان کے درمیان رابطہ اور اتحاد واتفاق کو پروان چڑھانا۔

ہندوستان میں نافذ ''محمڈن لا'' کا شریعت اسلامی کی روشنی میں جائزہ لینا اور نئے مسائل کے پیش نظر مسلمانوں کے مختلف فقہی مسالک کے تحقیقی مطالعہ کا اہتمام کرنا اور شریعت اسلامی کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے کتاب وسنت کے اساس پر ماہرین شریعت اور فقہ اسلامی کی رہنمائی میں پیش آمدہ مسائل کا مناسب حل تلاش کرنا۔

بورڈ کے مذکورہ بالا اغراض ومقاصد کے حصول کے لیے وفود کو ترتیب دینا، Study Teams تشکیل دینا، سیمنار، سمپوزیم، خطابات، اجتماعات، دوروں اور کانفرنسوں کا انتظام کرنا، نیز ضروری لٹریچر کی اشاعت اور بوقت ضرورت اخبارات ورسائل اور خبرناموں وغیرہ کا اجراء اور اغراض ومقاصد کے لیے دیگر ضروری امور انجام دینا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

ماہنامہ

# پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)
www.abulhasanalinadwi.org

جلد: ۸ — نومبر ۲۰۱۶ء — شمارہ: ۱۱

**سرپرست:** حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ (صدر، دار عرفات)

**نگراں:** مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہٗ (جنرل سکریٹری، دار عرفات)

**مجلس ادارت**

بلال عبدالحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبدالسبحان ناخداندوی

محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

**معاون ادارت**

محمد نفیس خاں ندوی

## ایمان کا تقاضا

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

(بس نہیں آپ کے رب کی قسم وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے جی میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور پوری طرح سر تسلیم خم کردیں)

(النساء: ٦٥)

فی شمارہ: -/Rs.10 — Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زر تعاون: -/Rs.100

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کراکر دفتر ''پیام عرفات'' مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

# فہرس


اسلام کا عائلی نظام (اداریہ)..........۳

بلال عبدالحی حسنی ندوی..........

پرسنل لابورڈ کی ضرورت اور اس کا دائرۂ کار..........۴

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ..........

وقت کا تقاضہ..........۵

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ..........

توحید کیا ہے؟..........۷

بلال عبدالحی حسنی ندوی..........

نمازِ وتر کے احکام و مسائل..........۹

مفتی راشد حسین ندوی..........

آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ-مختصر تعارف..........۱۲

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی..........

دنیا کی حقیقت..........۱۵

محمد امین حسنی ندوی..........

طلاق-کب اور کیسے؟..........۱۷

محمد ارمغان بدایونی ندوی..........

یکساں شہری قانون..........۱۸

محمد نفیس خاں ندوی..........


# دیدۂ دل وا کرے کوئی

**نتیجۂ فکر:**- علامہ اقبال علیہ الرحمہ

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

منصور کو ہوا لب گویا پیام موت
اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی

ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

عذر آفرین جرم محبت ہے حسن دوست
محشر میں عذر تازہ نہ پیدا کرے کوئی

چھپتی نہیں ہے یہ نگہ شوق ہم نشیں
پھر اور کس طرح انہیں دیکھا کرے کوئی

اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم
طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی

نظارے کو یہ جنبش مژگاں بھی بار ہے
نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

کھل جائیں کیا مزے ہیں تمنائے شوق میں
دو چار دن جو میری تمنا کرے کوئی

مدیر کے قلم سے

# اسلام کا عائلی نظام

بلال عبدالحی حسنی ندوی

یکساں سول کوڈ کا تخیل ایک عرصہ سے ٹھنڈے بستہ میں تھا، لیکن یوپی اور بعض دوسری ریاستوں کے انتخابات نے اس میں گرمی پیدا کردی ہے، مختلف زمانوں میں حسب ضرورت اس مسئلہ کو اپنی اپنی روٹیاں سینکنے کے لیے گرمایا جاتا رہا ہے، اور ضرورت پوری ہونے پر پھر اس کو ٹھنڈے بستہ میں ڈال دیا جاتا ہے، غور کیا جائے تو حقیقت میں یہ مسئلہ ہی ایسا ہے کہ اس کو ہمیشہ کے لیے دفن کردیا جائے، ہندوستان جیسی رنگا رنگ سرزمین پر جہاں مختلف مذاہب اور مختلف نظریات وافکار کی حامل قومیں رہتی ہوں، جن کے اپنے اپنے پرسنل لا (Personal Law) ہوں، وہاں یکساں سول کوڈ (Uniform Civil Code) کا نفاذ ملک کو ٹکڑوں میں بانٹ دینے کے مترادف ہے۔

اس کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ اس سے اتحاد پیدا ہوسکتا ہے، ایک خام خیالی کے سوا کچھ نہیں، دنیا میں نہ جانے کتنے ممالک اور کتنی قومیں ہیں جو ایک مشترک لا (Law) رکھنے کے باوجود ہمیشہ برسر پیکار رہتی ہیں، تعجب ہے ان پڑھے لکھے لوگوں پر جو تاریخ کا مطالعہ بھی کرتے ہیں اور پھر اس کا راگ الاپتے ہیں۔

یکساں سول کوڈ کے ذیل میں مردوں اور عورتوں میں برابری کی بات بھی کہی جاتی رہی ہے، اگر برابری کا مطلب انسانی حقوق میں برابری ہے تو اسلام سب سے بڑھ کر اس کی دعوت دیتا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام ہی نے پہلی مرتبہ عورتوں کو انسانوں کا درجہ دیا، ورنہ اس کی حقیقت جانوروں سے بدتر تھی، تاریخ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے اس کی حقیقت سے واقف ہیں، مگر مساوات کا مطلب سمجھنے کی ضرورت ہے، سب انسان یکساں نہیں ہوتے، بلکہ مردوں میں بھی بڑا تفاوت ہوتا ہے، سب کی صلاحیتیں الگ الگ ہوتی ہیں، اسی طرح اللہ نے مردوں اور عورتوں کو الگ الگ صلاحیتیں دی ہیں، اور ان صلاحیتوں کے اعتبار سے ان پر ذمہ داری رکھی ہے، اور یہ ایک طبعی بات ہے کہ آدمی اپنی صلاحیت کے اعتبار سے کام کرتا ہے، اگر دوسرا کام اس کے سپرد کردیا جائے تو وہ دشواری میں پڑجائے، ایک شخص بہت ذہین ہے لیکن جسمانی اعتبار سے کمزور ہے، دوسرا توانا ہے لیکن فہم وادراک میں اس کو وہ مقام حاصل نہیں، ظاہر ہے دونوں کو اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے کام سپرد کئے جائیں گے، اگر معاملہ الٹا کردیا جائے تو سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے خواتین میں جو خصوصیات رکھی ہیں وہ مردوں میں نہیں ہے اور مردوں میں جو خصوصیات رکھی ہیں وہ عورتوں میں نہیں، اور دونوں کو اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔

اسلام کا نظام طلاق ومیراث بھی ان ہی خصوصیات کی بنیاد پر ان کی ذمہ داریوں کو دیکھ کر اتارا گیا ہے، مالی ذمہ داریاں سب مردوں کے اوپر ڈالی گئی ہیں، عورتوں کو ان سے آزاد رکھا گیا ہے، اس لیے وراثت میں مردوں کا حق بھی زیادہ بتایا گیا ہے، اور عورتوں کو جو آدھا ملتا ہے وہ صرف ان کے اپنے خرچ کے لیے ہے، ان پر کسی دوسرے کی کوئی ذمہ داری نہیں، اسی طرح طلاق کا حق مردوں کو اس لیے دیا گیا ہے کہ ان میں برداشت کا مادہ عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے، عورتوں کو اگر طلاق کا اختیار ہوتا تو طلاق کا تناسب خطرناک حد تک بڑھ جاتا، البتہ ان کے لیے بھی علاحدگی کا ایک راستہ رکھا گیا ہے، مگر کچھ شرطوں کے ساتھ تاکہ وہ فوری طور پر کوئی ایسا اقدام نہ کر بیٹھیں کہ اس کے بعد سوائے پچھتاوے کے کچھ نہ ملے۔

اسلام کے یہ وہ عائلی قوانین ہیں جو فطرت کے عین مطابق ہیں، اور ان سے لڑنا فطرت سے مقابلہ کرنے کے مترادف ہے، مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی زندگی اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں، تاکہ اس کی برکتیں دنیا میں ظاہر ہوں، اور دنیا کے لیے ایک بہترین نمونہ سامنے آئے۔ یقیناً یہ رکاوٹیں اسی لیے کھڑی ہوتی ہیں کہ ہم مسلمان خود ان اسلامی قوانین کو اپنے اوپر نافذ نہیں کرتے، ہم خود اگر ان پر پورا عمل کریں تو ان میں دنیائے انسانیت کے لیے ایسی روشنی ہے کہ کوئی بھی صاحب عقل اس کا انکار نہیں کرسکتا۔

# پرسنل لا بورڈ کی ضرورت اور اس کا دائرۂ کار

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

انسانی زندگی کو اعلیٰ انسانی اقتدار کا پابند رکھنے اور اس کو خالق کائنات رب العالمین کے حکموں کے مطابق گذارنے کے لیے جو ہدایات اسلام اور دیگر مذاہب میں دی گئیں ہیں ان کے درمیان بڑا فرق پایا جاتا ہے، اسلام کے برخلاف دیگر مذاہب میں جو احکام دیے گئے ہیں وہ عموماً اپنے اپنے تصور کے مطابق عقیدہ اور عبادت کی چند رسموں تک محدود ملتے ہیں، لیکن اسلام کا معاملہ اس سلسلہ میں بہت مختلف ہے، اس میں توحید کے واضح عقیدہ اور عبادت کے متعدد پہلوؤں پر مشتمل اور جامع نظام رکھا گیا ہے، اور ان پر کسی کمی وبیشی کے بغیر عمل کرنا لازم قرار دیا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ زندگی کے دیگر تمام احوال و معاملات کے سلسلہ میں بھی متعینہ احکام دیے گئے ہیں، اور یہ سب ''شریعت اسلامی'' کے تحت آتے ہیں، اور ان کی پابندی اسلام کے سب ماننے والوں کے لیے خدائے برتر واعلیٰ کی طرف سے ضروری قرار دی گئی ہے، اور چونکہ یہ احکام خدائے برتر واعلیٰ کی طرف سے ہیں اس وجہ سے ان میں کسی انسانی تصرف یا تغیر کی گنجائش نہیں دی گئی ہے، یہ احکام عبادت کے تعلق سے ہوں یا دیگر پہلوؤں کے سلسلہ کے ہوں، انفرادی زندگی کے ہوں یا عائلی، سماجی معاملات کے ہوں، آپسی تعلقات کے ہوں یا مالی معاملات کے ہوں، یہ سب شریعت اسلامی کی رہنمائی وہدایات کے تحت رکھے گئے ہیں، ان میں اجتماعی وسماجی معالات کے سلسلہ کے احکام اور عمل کرانے کی ذمہ داری اصحاب اقتدار پر رکھی گئی ہے، اور انفرادی دائرہ میں آخرت میں ملنے والی جزا وسزا کے حوالہ سے تلقین ونصیحت رکھی گئی ہے، اور جو معاملات شخصی اور انفرادی حالات سے تعلق رکھتے ہوں ان کے لیے بھی آخرت کی سزا وجزا کا احساس دلانے اور نصیحت وتلقین کی صورت رکھی گئی ہے۔

اس طرح انسانی زندگی کے صلاح وفلاح کے لیے اسلامی قانونِ شریعت بڑا ہمہ گیر، اور زندگی کی ضرورتوں اور تقاضوں پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اچھے برے کے درمیان واضح فرق بتانے والا اور پھر اس کو کنٹرول کرنے والا ہے، اسلامی شریعت کے احکام کے اجراء کے سلسلہ میں ایک خاص بات یہ رکھی گئی ہے کہ قوت حاکمہ کے ذریعہ ضابطوں کا نفاذ صرف اسلام کے ماننے والوں کے لیے رکھا گیا ہے کہ زندگی کے معاملات خواہ انفرادی دائرے کے ہوں یا اجتماعی زندگی کے ہوں، مالی معاملات ہوں یا عائلی یا خاندانی معاملات ہوں، ان سب میں احکام الٰہی کی پابندی ضروری ہے، اس طرح مسلمان اسلامی اقتدار کے تحت ہوں یا اسلامی اقتدار کے باہر ہوں ان کے لیے احکام الٰہی پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، مسلمان اگر کسی غیر اسلامی اقتدار کے ملک میں ہیں تو ان کا مطالبہ اس حکومت سے یہ ہوتا ہے کہ جس طرح اسلامی اقتدار میں غیر مسلم قوموں کے مذہبی امور میں مداخلت کا حق ملک کی قوت حاکمہ کو نہیں ہوتا تو اسی طرح مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں غیر مسلم حکومت کو بھی مداخلت نہیں کرنی چاہیے، اور خاص طور پر جب ملک کا دستور سیکولر ہونے کی بناء پر کسی کے مذہبی امور میں مداخلت کا حق نہیں دیتا، لہٰذا قانونی طور پر بھی مسلمانوں کا یہ حق بنتا ہے کہ ان کے مذہبی معاملات میں سیکولر حکومت کو دخل نہیں دینا چاہیے، اسی اصول وقاعدہ پر عمل کرانے کے لیے اور اس سلسلے میں اسلامی شریعت پر عمل کرنے کے جذبہ کا تحفظ برقرار رکھنے کی فکر کرنے کے لیے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کی ضرورت پڑی............

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

# وقت کا تقاضا

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

جو قوم حقیقت پسند ہوتی ہے، واقعیت پسندی اس کا شیوہ ہوتا ہے، اس کے مزاج میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ وہ حالات کا صحیح جائزہ لے، غیر مبینہ صورت حال میں دل و دماغ کی توانائی صرف کر کے صحیح نتائج اخذ کرنے کی کوشش کرے، اور جو قوم ان چیزوں سے ناواقف ہوتی ہے، جہالت اس کا مزاج بن جاتا ہے، وہ ہمیشہ دھوکہ کھاتی ہے اور دھوکہ دیتی ہے، موجودہ دور جس کو حقیقت پسندی اور ترقی کا دور سمجھا جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ حقیقت پسندی سے بہت دور جا چکا ہے، سوچ سمجھ کر حالات کا صحیح جائزہ لینے کی کسی کو فکر نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارا ملک غلط محل پر توانائیوں کے صرف ہونے کے سبب زوال کی طرف تیزی سے قدم رکھ رہا ہے، جس ملک کی ایک قدیم تاریخ رہی ہے، نمایاں خصوصیات رہی ہیں، جہاں برسوں سے مختلف مذاہب کے ماننے والے آپس میں شیر و شکر رہے ہیں، ہمیشہ سے محبت و پریم کی سریلی بانسری بجتی رہی ہے، آج وہیں کے باشندے آپسی تنازعات اور بھید بھاؤ کا شکار ہیں۔

انسان کو اس کے پیدا کرنے والے نے اپنے لیے بنایا ہے، اور سارے سنسار اور اس کی چیزوں کو انسان کے لیے بنایا ہے، انسان کے اندر محبت و درد اور انس رکھا ہے، تاکہ وہ ایک دوسرے سے پیار کرے، اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو، ہر انسان دوسرے انسان کے دکھ سے دکھی اور سکھ سے سکھی ہو، چاہے وہ کسی برادری یا کسی بھی مذہب کا ہو۔

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس وقت ہر چیز الٹی ہو گئی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان انسان کے ساتھ ہمدردی کرنے کے بجائے ظلم و زیادتی پر اترا ہوا ہے، خود غرضی کا مرض اتنا عام ہو گیا ہے کہ ہر شخص اپنا فائدہ چاہتا ہے، اور اس کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، پھر اس کے نتیجہ میں رشوت خوری، ذخیرہ اندوزی، کمزوروں پر ظلم و زیادتی، جہیز کے نام پر عورتوں کو جلانا، بچیوں کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی ختم کر دینا، شراب و جوا اور اس کی خرابیاں سب پیدا ہوتی جا رہی ہیں، بلکہ بڑھتی ہی جا رہی ہیں، اب تو حال یہ ہو رہا ہے کہ نہ باپ باپ رہا، نہ ماں ماں، رشتہ داروں کو تو جانے دیجئے، اور جہاں تک حکومت کا سوال ہے، اس کے ذمہ داروں کی خبریں روزانہ اخبارات میں چھپتی ہی رہتی ہیں، جس سے ان کی گھناؤنی تصویر صاف طور پر دیکھی جا سکتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ اپنے دیش کے ہیں، نہ ہی یہاں کی عوام کے، ان کا ہدف زندگی محض ناجائز دھندہ کرنا بن گیا ہے۔

ہمارے ملک میں اس طرح کی نہ جانے کتنی خرابیاں ہیں جو عرصہ سے چلی آرہی ہیں، انہیں کو دیکھ کر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ بے چین ہوئے تھے، جس کے نتیجہ میں وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ ملک و ملت کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیے، اس کی خاطر انہوں نے "پیام انسانیت" کا کام شروع کیا، اور ہر چیز سے اوپر اٹھ کر یہ تحریک چلائی، جس کے اچھے نتائج بھی سامنے آئے، لیکن ہمارا ملک بہت بڑا ہے، اس کے لیے سب کو آگے آنا ہوگا، اپنے ملک کو ایسی خطرناک صورت حال سے نکالنا ہوگا، اس کے لیے پہلے خود انسان بننا ہوگا، اور ساری انسانیت کی خدمت کے لیے تیار ہونا ہوگا، جو لوگ بڑے بڑے عہدے پر ہیں، ان کی خوشامد کر کے اور سمجھا کر دیش کی خدمت کے لیے تیار کرنا ہوگا کہ وہ رشوت سے باز آئیں، کمیشن خوری سے بچیں، اور جو بیچارے غریب عوام ہیں ان کی ہر طرح خدمت کرنا اپنا فرض منصبی سمجھیں، امید ہے کہ اگر ہم سب مل کر اس ملک کی کشتی کو بھنور سے نکالنے کی کوشش کریں گے تو اوپر والا خوش ہوگا اور ہمارے ملک کا بھی بھلا ہوگا، زمانہ پھر اپنی وہی قدیم تاریخ دہرائے گا جس میں تمام ملک کے باشندے ایک دوسرے کے ساتھ بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے، بغیر کسی تفریق کے ہر کسی کی مشکل میں کام آتے تھے۔

یہی درد تھا جس کو حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ لیے پھرتے تھے، در در جا کر لوگوں کو سمجھاتے تھے، شہر شہر میں جلسہ کرتے تھے، پڑھے لکھے لوگوں کو اس کام کی طرف متوجہ کرتے تھے، یہ کام الحمد للہ اس وقت بھی جاری ہے، حقیقت یہ ہے کہ ملک کے موجودہ حالات میں اب اس کام کی ضرورت اور زیادہ بڑھ گئی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک سے سچی محبت رکھنے والے اس کام کے لیے آگے بڑھیں، اور اپنے ملک سے پریم کا ثبوت دیں۔

# توحید کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

''توحید'' کے اصطلاحی معنی ہیں: ''خالص ایک ذات کو ماننا'' اور یہ ذات صرف اللہ کی ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں، یہی دین کی اصل بنیاد ہے، نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ اللہ کے بندوں کو ایک اللہ سے جوڑا جائے، اور مرور ایام کے نتیجہ میں توحید کے اندر جو شگاف پڑ گئے ہیں ان کو پر کیا جائے، صحیح عقیدۂ توحید لوگوں کے اندر بٹھایا جائے، کیونکہ توحید کے خالص عقیدہ میں کسی بھی قسم کی کمزوری دین کو کمزور کر دیتی ہے۔

بعثت سے قبل مشرکین مکہ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں بھی کسی حد تک توحید کی رمق باقی تھی، مگر ان کے عقائد میں بہت زیادہ کمزوری پیدا ہوجانے اور شرک میں مبتلا ہوجانے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث کیا گیا، تاکہ آپ تمام انسانیت کو خالص توحید کی دعوت دیں، قرآن مجید میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر آپ ان سے پوچھئے کہ زمین کو کس نے پیدا کیا، آسمان کو کس نے پیدا کیا، تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا، گویا وہ ہزار شرک کے باوجود اس بات کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ اصل خالق ہے، دنیا میں جو بڑی بڑی چیزیں نظر آرہی ہیں، ان کو اللہ نے پیدا کیا ہے، لیکن اس کے باوجود پھر ان میں یہ شرک پیدا ہوگیا تھا، وہ سمجھتے تھے کہ اللہ نے پیدا تو کردیا لیکن دنیا کا جو یہ نظام چل رہا ہے، یہ اس نے دوسروں کے حوالہ کردیا ہے، وہ اس میں تصرف رکھتے ہیں، وہ جس طرح چاہیں اس نظام کو چلائیں، لہٰذا ہمیں ان کو راضی کرنا چاہیے، کیونکہ جب تک ہم ان لوگوں کو راضی نہیں کریں گے، جن کے ہاتھ میں یہ سارا نظام ہے اس وقت تک ہم اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے، گویا ان کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ اب ہمیں اپنی مرادیں، ضرورتیں انہیں کے سامنے رکھنی چاہئیں، انہیں سے دعائیں کرنی چاہئیں، ہماری تمنائیں انہیں کے سامنے سر جھکانے سے پوری ہوں گی۔

زمانۂ جاہلیت میں ایک اللہ کی ذات کو ماننے کے ساتھ شرک کی جو مختلف شکلیں لوگوں نے اختیار کرلی تھیں، ان میں دو شکلیں بہت عام تھیں، جن کو علمائے اہل سنت والجماعت ''شرک فی الالوہیت'' اور ''شرک فی الصفات'' سے تعبیر کرتے ہیں، عام طور پر شرک کی یہی دو قسمیں ہر دور میں زیادہ رائج رہی ہیں، البتہ ''ربوبیت'' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایک ماننے کے عقیدہ کے تقریباً سب قائل رہے ہیں، سب یہ سمجھتے ہیں کہ اصل طاقت ایک ہے، وہی پیدا کرنے والا اور موت دینے والا ہے، اگر اس دور کے مشرکین سے بھی معلوم کیا جائے تو وہ بھی یہی بات کہتے ہیں کہ اصل بڑی طاقت ایک پرمیشور ہی کی طاقت ہے، اسی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، جب کہ ہندوستان میں برادران وطن کے متعلق یہ مثل مشہور ہے کہ ''جتنے کنکر اتنے شنکر''، یعنی یہاں کے لوگوں کے مزاج میں یہ بات داخل ہے کہ وہ ہر پتھر اور ہر نافع وضار چیز کو پوجنے والے ہیں، اگر کسی جانور سے نفع پہنچ رہا ہے تو وہ بھی ان کے یہاں معبود ہے، اور اگر نقصان پہنچ رہا ہے تب بھی معبود جیسا کہ سانپ، جو کہ کاٹنے والا جانور ہے، مگر اس نقصان پہنچانے والے جانور کی بھی پرستش کی جاتی ہے، لیکن اس سب کے ساتھ واقعہ یہ ہے کہ وہ ایک خدا کی ذات کو بھی تسلیم کرتے ہیں، البتہ اس تک پہنچنے کے لیے اپنی دیوی دیوتاؤں کو وسیلہ ضرور سمجھتے ہیں، قرآن مجید میں قرب الٰہی کے حصول کی خاطر اسی وسیلہ پر نکیر کرتے ہوئے فرمادیا گیا:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾ (الزمر: ۳)

(اور جن لوگوں نے اس کے علاوہ کارساز بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی بندگی اس لیے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ سے مرتبہ میں قریب کردیں، ان کے درمیان اللہ تعالیٰ ان باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں جھگڑتے ہیں، یقیناً اللہ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا ہو، انکار ہی اس کا شیوہ ہو)

معلوم ہوا کہ ربوبیت کا عقیدہ کسی حد تک ہر دور میں باقی رہا ہے، مگر خالص توحید کے باب میں شرک در آنے کا اصل مسئلہ ان دو شکلوں میں بہت زیادہ پیش آیا ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا، ذیل میں انہیں کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

**شرک فی الالوہیت**: یہ شرک کی وہ قسم ہے جو کسی نہ

کسی شکل میں ہر زمانہ میں رائج رہی ہے، اس سے مراد مشرکین کا وہ عقیدہ ہے، جس میں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر چیز کا اصل خالق اللہ ہے، البتہ اس نے اپنے اختیارات وتصرفات دوسروں کے سپرد کردیئے ہیں، اس لیے اب ہمیں ان کو راضی کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ ہماری ضروریات انہیں سے وابستہ ہیں، اس خودساختہ عقیدہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو اعمال عبادت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کئے جانے چاہئیں، وہ اعمال ان دیوی دیوتاؤں یا اللہ کے بعض نیک بندوں کے ساتھ شروع ہوگئے جن کے بارے میں یہ فرض کرلیا گیا کہ اللہ نے ان کو سارے اختیارات دے دیئے، اب وہ جو چاہیں کریں۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد شرک کی انہیں تمام اقسام کو ختم کرنا تھا، لوگوں کے ذہنوں میں توحید کا صحیح تصور قائم کرنا تھا، ہر ایک کو یہ دعوت دینا تھا کہ اصل ذات اللہ کی ذات ہے، وہی ہر ایک کا خالق ومالک ہے، اور وہی پوری دنیا کو چلا رہا ہے، اس کے اس نظام میں اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ہی اس نے اس نظام کو چلانے کی ذمہ داری کسی کے سپرد کی ہے، اسی لیے مختلف آیات میں صراحت سے یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ تمام اعمال عبادت صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہی روا ہیں، اعمال عبادت میں سے کوئی ایک عمل یا اس کا بعض حصہ بھی کسی دوسرے کے لیے کرنا سخت گناہ کی بات ہے، کسی کے آگے سجدہ کرنا، کسی کے آگے تعظیماً اس طرح کھڑا ہونا جیسا کہ نماز میں کھڑا ہوا جاتا ہے، کسی کے لیے نذر ماننا، کسی جگہ کو اس طرح مقدس سمجھنا جس طرح حرم پاک کو مقدس سمجھا جاتا ہے کہ جیسے وہاں حالت احرام میں شکار کرنا بھی جائز نہیں، حرم کے تمام آداب کی رعایت کرنا نہایت ضروری ہے، ٹھیک اسی طرح کسی مزار کے آس پاس کی جگہ یا کسی بزرگ کی خانقاہ یا ان کی رہائش گاہ وغیرہ کے سامنے انہیں آداب کو بجالانا جو صرف شعائر اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں، یہ تمام چیزیں شرک میں داخل ہیں، شریعت اسلامیہ میں ان تمام چیزوں پر سختی سے نکیر کی گئی ہے، نبی اکرم ﷺ نے تمام عمر ان چیزوں کی بیخ کنی فرمائی، قرآن مجید میں تمام اعمال عبادت کو صرف اللہ کے لیے اسی مقصد کے تحت جائز کیا گیا کہ تمام اعمال عبادت انتہائی درجہ کی تعظیم ومحبت سے تعلق رکھتے ہیں، اور انتہائی تعظیم ومحبت سوائے اللہ کے کسی کے لیے جائز نہیں، محبت کے متعدد درجات ہیں، ابتداء میں میلان ہوتا ہے، پھر رغبت، اس کے بعد چاہت اور اس کے بعد آخری درجہ کی وہ محبت جس کے نتیجہ انسان بس اپنے محبوب کے سامنے جھکنا چاہتا ہے، اور جھکنا سوائے اللہ کے کسی کے سامنے جائز نہیں، اس لیے محبت کا اصل محل بھی سوائے اللہ کے کوئی اور بنانا درست نہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے محبت الٰہی کو اہل ایمان کی شناخت بتایا، ارشاد ہوا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً لِّلَّهِ﴾ (البقرة: ۱۶۵)

(اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ اوروں کو (اللہ کے) برابر ٹھہراتے ہیں، ان سے اسی طرح محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ کی محبت ہو اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والے ہیں)

معلوم ہوا کہ تمام اعمال عبادت جو انتہائی درجہ کی تعظیم ومحبت سے تعلق رکھتے ہیں، اصل خالق ومالک کو چھوڑ کر کسی کے لیے جائز نہیں، یہ انتہائی تعظیم صرف اسی ذات کے لیے روا ہے، کسی کے سامنے تعظیماً کھڑا ہونا، سجدہ کرنا، کسی کے لیے نذر ماننا، غرض کہ اس جیسے تمام اعمال کسی دوسرے کے لیے کرنا ہرگز جائز نہیں، زمانہ جاہلیت میں شرک کی یہی قسم رائج تھی، ان کے یہاں الوہیت میں شرک داخل تھا، عبادت کے جو طریقے خالص اللہ کے ساتھ خاص ہیں، انہوں نے ان طریقوں کو دوسروں کے لیے اختیار کررکھا تھا۔

شرک فی الالوہیت کی ابتداء کے متعلق روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں اللہ کے بڑے بڑے اولیاء اللہ جو حضرت نوح علیہ السلام کے متبعین یا ان کے بعد والے لوگ تھے، اور وہ بڑے ہی عبادت گذار، توحید پرست اور اللہ کے برگزیدہ بندے تھے، ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد اور ان کے ماننے والوں نے سوچا کہ جہاں وہ عبادت کرتے تھے وہ جگہ بڑی مقدس ہے، ہمیں بھی وہیں عبادت کرنی چاہیے، پھر رفتہ رفتہ ان خاص جگہوں کی تعظیم میں اس حد تک غلو ہوگیا کہ ان کی آئندہ آنے والی نسلیں خدا کی عبادت چھوڑ کر انہیں مقدس جگہوں کو لائق عبادت سمجھنے لگیں، تعظیم ومحبت کے جو اعمال صرف اللہ تعالیٰ کے لیے درست تھے وہ ان پتھروں کے ساتھ شروع ہوگئے، اور اس کے بعد یہ تصور بھی عام ہوگیا کہ مالک حقیقی نے اپنی طاقت ان تمام مصنوعی شکلوں میں منتقل فرمادی ہے، لہٰذا اب ہمیں انہیں کی تعظیم کرنی چاہیے اور ان ہی کی عبادت کرنی

چاہیے، یہاں سے شرک کا سلسلہ شروع ہوا۔
شرک کی ابتداء کے متعلق یہ بھی آتا ہے کہ جب اللہ کے برگزیدہ بندے اس دنیا سے رخصت ہوگئے، تو ان کی اولاد کو شیطان نے ان نیک لوگوں کے مجسمے تراشنے پر آمادہ کیا، چنانچہ یہ لوگ اپنے مرنے والے بزرگ کا مجسمہ تراشتے اور ہر روز ان مجسموں کے پاس جاتے، ان کو دیکھ کر اپنا دل خوش کرتے، ان سے دلوں کی تسلی کا سامان کرتے، پھر رفتہ رفتہ وہی قصہ ہوا کہ بعد کی نسلوں نے اپنے آباء واجداد کو ان مجسموں کی تعظیم کرتے پایا، اس لیے وہ انہیں مجسموں کو لائق تعظیم سمجھ بیٹھے، انہیں کو اپنا معبود تسلیم کرلیا، اور ہر گھر میں اپنے خاندان کے بڑوں کے مجسمے بنا کر انہیں کی پرستش شروع کردی، اور اس طرح دنیا بھر میں بت پرستی کا مزاج عام ہوتا گیا، لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جس طرح دنیوی نظام میں سفارشیوں کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں بھی اس کے برگزیدہ بندوں کو سفارشی بنانا ضروری ہے، قرآن مجید میں اسی غلط تصور کی حقیقت واضح کرتے ہوئے صاف طور پر کہہ دیا گیا کہ جب میرا کوئی بندہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اس کے بہت قریب ہوتا ہوں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ (البقرة: ۱۸۶)

(اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں تو قریب ہی ہوں ہر پکارنے والے کی پکار میں سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے)

گویا اس آیت سے یہ بات کھل گئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تک براہ راست پہنچنے کے بجائے کسی کو وسیلہ بنانا بے ضرورت ہے، ایسا تصور رکھنا بھی مشرکانہ اور غلط عقیدہ کے مرادف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بندہ سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، ہر بندہ کی ضروریات کو اس سے زیادہ سمجھنے والا ہے، لہٰذا بندہ کو جو بھی مانگنا ہو وہ اپنے رب سے براہ راست مانگے، اسی لیے ایک حدیث میں یہاں تک فرمادیا گیا کہ اگر تمہیں اپنے جوتے کا تسمہ بھی مانگنا ہے تو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی سے مانگو، گویا اس سے یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ ہر بندہ کو اپنی چھوٹی بڑی تمام ضروریات اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی رکھنی چاہئیں، یہ یقین رکھنا چاہیے کہ تمام ضروریات پوری کرنے والی ذات اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل شرک کی مذکورہ قسم یعنی ''شرک فی الالوہیت'' دنیا بھر میں عام تھی، آپ ﷺ نے اول دن سے اس کی کھل کر مخالفت فرمائی، عقیدۂ توحید کے سلسلہ میں ادنیٰ قسم کی بھی مداہنت گوارہ نہ کی، سخت سے سخت حالات میں بھی عقیدۂ توحید کے باب میں ایک لمحہ کے لیے بھی کسی قسم کا کوئی سمجھوتہ کرنا پسند نہ فرمایا، بعض دفعہ مشرکین مکہ نے یہ پیش کش رکھی کہ تم ہمارے ان معبودوں کو مان لو، ہم تمہیں اذیتیں دینا چھوڑ دیں گے، اس پر آپ ﷺ کی زبانی قرآن مجید میں صاف صاف فرمادیا گیا:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ☆لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۔وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا أَعْبُدُ۔وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ۔وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا أَعْبُدُ۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ (الکافرون:۱-۶)

(کہہ دیجیے اے انکار کرنے والو، میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو، اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں، اور نہ مجھے اس کی عبادت کرنی ہے جس کی عبادت تم کرتے رہے ہو، اور نہ تمہیں اس کی عبادت کرنی ہے جس کی عبادت میں کرتا ہوں، تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین)

معلوم ہوا دین اسلام میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی الوہیت وصفات میں کسی دوسرے کو شریک کرنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں، اگر ہوتی تو مکی دور جو سخت ابتلاءات ومحن کا دور رہا ہے، شاید اس میں کچھ افہام وتفہیم سے کام لیا جاتا، لیکن خالص عقیدۂ توحید کے سلسلہ میں اسلام ایسی کوئی تبدیلی پسند نہیں کرتا، مگر افسوس کی بات ہے کہ عقیدۂ توحید کے باب میں ایسی سخت تعلیمات کے باوجود مسلمانوں کے ہی نام سے بعض ایسے فرقے بھی پائے جاتے ہیں جو شرک فی الالوہیت کو درست سمجھتے ہیں، بزرگوں یا ان کی قبروں کو وہ مقام دیتے ہیں جو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، ان کے ساتھ انتہائی درجہ کی تعظیم ومحبت کی وہی تمام شکلیں اختیار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں، واقعہ یہ ہے کہ تعظیم ومحبت کی یہ شکلیں انسان کو شرک تک پہنچاتی ہیں، اور انسان شرک فی الالوہیت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ (جاری)

# نمازِ وتر کے احکام ومسائل

مفتی راشد حسین ندوی

## وتر کی نماز واجب ہے:

وتر کی نماز احناف کے نزدیک واجب ہے، یعنی عملاً اس کی حیثیت فرض جیسی ہے، چنانچہ اگر کسی کی وتر کی نماز چھوٹ جائے تو اس کی قضاء کرنی ہوگی، اور اگر فدیہ نکالنا ہو تو پانچ فرض نمازوں کی طرح اس کا فدیہ الگ سے نکالا جائے گا، اسی طرح اس نماز کا بیٹھ کر یا کسی جانور وغیرہ پر سواری کر کے پڑھنا اسی طرح صحیح نہیں ہے جیسے فرائض کا بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا صحیح نہیں۔

(شامی: ۱/ ۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲)

اس نماز کی تاکید کئی احادیث میں کی گئی ہے، اسی لیے احناف نے اس کو واجب قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''وتر کی نماز ہر مسلمان کے اوپر ثابت ہے''۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ وتر یعنی طاق ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے، تو اے اہل قرآن تم وتر پڑھا کرو، (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) اور حضرت خارجہ ابن حدافہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز کا اضافہ فرمایا ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو عشاء کی نماز اور طلوع فجر کے درمیان تمہارے لیے مقرر فرمایا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

## وتر کا وقت:

جیسا کہ آخری حدیث میں گزرا اس نماز کا وہی وقت ہے جو عشاء کی نماز کا ہے، لیکن اس کو نماز عشاء کے بعد ہی پڑھا جا سکتا ہے، اس سے پہلے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۲۶۶)

اور جو شخص تہجد کا عادی ہو، اور رات کے آخری حصہ میں جگ جانے کا معمول ہو، اس کے لیے افضل یہی ہے کہ وتر کی نماز تہجد کے بعد پڑھے، اور جس کو جگنے کا یقین نہ ہو اس کے لیے افضل یہی ہے کہ عشاء کے بعد ہی وتر پڑھ لیا کرے، اس لیے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کو اندیشہ ہو کہ آخر شب میں نہیں اٹھ پائے گا، وہ اول شب ہی میں وتر پڑھ لے، اور جس کو امید ہو کہ آخر شب میں اٹھ جائے گا وہ آخر شب میں وتر پڑھ لے، اس لیے کہ آخر شب کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور افضل وہی ہے۔ (مسلم، شامی: ۱/ ۲۷۱)

## وتر کی رکعات:

امام شافعیؒ اور دوسرے کئی ائمہ کے نزدیک وتر ایک رکعت بھی پڑھی جا سکتی ہے، تین رکعات بھی اور اس سے زیادہ بھی، لیکن ہمارے یہاں وتر کی تین رکعات ہی متعین ہیں، جن کو مغرب کی نماز کی طرح ادا کیا جائے گا، البتہ احتیاطاً ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورہ بھی ملائی جائے گی، اس لیے کہ یہ نماز واجب ہے جو کہ فرض اور نفل کے درمیان کا درجہ ہے، فرض کی آخری رکعات میں سورہ نہیں ملائی جاتی اور سورہ فاتحہ پڑھنا بھی واجب نہیں ہوتا، جب کہ نفل کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا اور سورہ ملانا واجب ہوتا ہے، تو دونوں جہتوں کے پیش نظر وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا اور سورہ ملانا احتیاطاً واجب قرار دیا گیا۔ (شامی: ۱/ ۴۹۲)

سورہ کوئی بھی ملا سکتا ہے، لیکن سنت یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد "سبح اسم ربك الأعلى" دوسری میں سورہ "قل يا أيها الكافرون" اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھے (جیسا کہ ترمذی و ابوداؤد میں ہے) لیکن اس کو مستقل معمول نہ بنائے، تاکہ لوگ اس کو لازم نہ سمجھ بیٹھیں۔ (شامی: ۱/ ۴۹۲)

پھر ہمارے یہاں دوسری رکعت کے بعد قعدہ ہے، جب کہ دوسرے ائمہ کے یہاں جب تین رکعات پڑھی جاتی ہیں تو درمیان میں قعدہ نہیں کیا جاتا، اور تیسری رکعت میں سورہ ملانے کے بعد ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے رفع یدین کرے گا، پھر ہاتھ باندھ لے گا،

اوردعائے قنوت پڑھنے کے بعدرکوع میں جائے گا۔
(شامی:۱/۴۹۲، ہندیہ:۱/۱۱۱)

## دعاء قنوت:

وتر کی تیسری رکعت میں دعاء قنوت پڑھنا واجب ہے، لیکن یہ واجب کسی بھی دعاء قنوت کے پڑھنے سے ادا ہوجائے گا، جہاں تک "أللھم انا نستعینك......الخ" والے دعاء قنوت کا تعلق ہے تو اس کا پڑھنا سنت ہے، لہٰذا اگر کسی کو یہ دعاء قنوت یاد نہیں ہے تو اس کو چاہیے کہ یاد کرنے کی کوشش کرتا رہے، اور جب تک یاد نہ ہوجائے اس وقت تک یہ دعا پڑھتا رہے: "ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار" اور اگر یہ دعا بھی نہ پڑھ سکے تو تین بار "أللھم اغفر لی" پڑھ لے، یا تین بار "یارب" کہہ لے، تو اس سے بھی واجب ادا ہوجائے گا۔

(شامی:۱/۴۹۳، ہندیہ:۱/۱۱۱)

## وتر و قنوت کے چند مسائل:

(۱) رمضان المبارک میں مسنون یہ ہے کہ وتر کی نماز تراویح کے بعد باجماعت پڑھی جائے، بقیہ دنوں میں وتر کی جماعت مکروہ ہے۔ (شامی:۱/۵۲۵)

(۲) رمضان المبارک میں اگر کسی شخص کی عشاء کی جماعت نکل گئی، اور وہ مسجد میں اس وقت پہنچا جب کہ تراویح کی جماعت ہورہی تھی، تو اس پر ضروری ہے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے، پھر تراویح میں شریک ہو، پھر جماعت سے وتر کی نماز پڑھے، اگر تراویح کی کچھ رکعات رہ گئی ہوں تو وتر پڑھنے کے بعد ان کو پڑھ لے، اگر وہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے بغیر تراویح میں شامل ہوگیا تو اس کی تراویح اور وتر صحیح نہیں ہوگی، اس لیے کہ ان دونوں کا وقت عشاء کے بعد ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ لوگوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ جس نے عشاء کا فرض جماعت سے نہ پڑھا ہو وہ وتر کی جماعت میں شامل نہیں ہوسکتا وہ صحیح نہیں ہے، فرض کی جماعت چھوٹ گئی ہو تب بھی وتر کی جماعت میں شامل ہوسکتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ عشاء کی نماز پہلے پڑھ لے۔ (صفیری:۲۱۰)

(۳) اگر دعاء قنوت پڑھنا بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا، تو اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ نہ تو رکوع میں دعاء قنوت پڑھے، نہ رکوع چھوڑ کر واپس کھڑے ہوکر دعاء قنوت پڑھے، بلکہ نماز کو جاری رکھے اور اخیر میں سجدہ سہو کرلے، لیکن اگر وہ رکوع سے اٹھ گیا اور قنوت پڑھ لیا تو اگرچہ اس نے غلط کیا ہے، لیکن صحیح قول کے اعتبار سے نماز فاسد نہیں ہوگی، لیکن سجدہ سہو کرنا اس صورت میں بھی واجب ہوگا۔
(شامی:۱/۴۹۵، ہندیہ:۱/۱۱۱)

(۴) اگر وتر کی نماز امام کے پیچھے پڑھ رہا تھا اور ابھی اس کا دعاء قنوت مکمل نہیں ہوا تھا کہ امام نے رکوع کردیا تو مقتدی کو چاہیے کہ رکوع میں چلا جائے اور دعاء قنوت چھوڑ دے، اس لیے کہ کچھ حصہ پڑھ لینے سے بھی دعاء قنوت کا واجب ادا ہوگیا۔

اور اگر کچھ بھی پڑھ نہیں سکا تھا کہ امام نے رکوع کرلیا تو اگر کوئی مختصر دعا مثلاً: "ربنا آتنا......" یا "أللھم اغفر لی" پڑھ کر رکوع مل سکتا ہے، تو یہ مختصر دعا پڑھنے کے بعد رکوع میں جائے، اور اگر اندیشہ یہ ہے کہ مختصر دعا پڑھنے سے بھی رکوع امام کے ساتھ نہیں ملے گا، تو دعاء قنوت چھوڑ دے، اور امام کے ساتھ رکوع کرے اور چونکہ مقتدی ہے، لہٰذا سجدہ سہو وغیرہ بھی اس پر نہیں ہوگا۔
(ہندیہ:۱/۱۱۱، شامی:۱/۴۹۵)

(۵) اگر دعاء قنوت بھول گیا، اور رکوع میں یاد آیا کہ قنوت نہیں پڑھا ہے، تو اوپر گذر چکا کہ اصل حکم یہی ہے کہ نہ تو رکوع میں قنوت پڑھے، نہ قیام کی طرف لوٹ کر قنوت پڑھے، لیکن اگر قیام کی طرف لوٹ کر قنوت پڑھ لیا تو اب دوبارہ رکوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے، سیدھے سجدہ میں جائے اور بعد میں سجدہ سہو کرے، پھر بھی اگر کوئی دوبارہ رکوع کرلے تب بھی نماز ہوجائے گی، اگرچہ اس کا یہ رکوع لغو شمار ہوگا، حتی کہ اگر کوئی اس دوسرے رکوع میں نماز میں شامل ہو تو اس کو اس رکعت کا پانے والا نہیں سمجھا جائے گا۔
(ہندیہ:۱/۱۱۱، شامی:۱/۴۹۵)

(۶) اگر کسی شخص کو وتر کی تیسری رکعت ملی، تو وہ قنوت امام کے ساتھ پڑھے گا، جب چھوٹی ہوئی رکعات پڑھنے کے لیے کھڑا ہوگا تو اس میں قنوت نہیں پڑھے گا، یہاں تک کہ اگر کسی کو تیسری رکعت کا رکوع مل گیا تو اس کو بھی قنوت کا پانے والا سمجھا جائے گا، اس لیے کہ اصول یہی ہے کہ قرأت وغیرہ کے حکم میں امام کے ساتھ جو رکعت وہ پڑھ رہا ہے اس کی آخری رکعت ہے، اور جس کی بعد میں قضاء کرے گا

وہ شروع کی نماز ہوگی۔ (شامی:۱/۴۹۶، ہندیہ:۱/۱۱۱)

(۷) حرمین شریفین میں امام وتر دو سلاموں سے پڑھتے ہیں، یعنی دو رکعت پر سلام پھیر دیتے ہیں، پھر ایک رکعت الگ سے پڑھتے ہیں، ایسے موقع پر حنفی مقتدی کیا کرے؟ اگر اقتداء کرے تو وتر کا معروف طریقہ چھوڑنا پڑے گا، اگر الگ نماز پڑھے تو حرم کی جماعت چھوڑنی پڑے گی، مشائخ احناف میں سے امام جصاص اور رازی وغیرہم کی رائے یہ ہے کہ اس طرح کی صورت حال میں صحیح یہی ہے کہ اقتداء کرلی جائے، اور ہندوستان کے بہت سے علماء نے بھی اس کی اجازت دی ہے، لہٰذا حرم کی جماعت کی فضیلت نہ چھوڑنا چاہیے، اور وتر بھی جماعت سے پڑھنا چاہیے۔ (شامی:۱/۴۹۴)

فقہ اکیڈمی کے فیصلہ میں ہے: "بلاد عرب میں وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کی جاتی ہیں، احناف کے لیے بھی ایسے امام کی اقتداء میں نماز وتر ادا کرنے کی گنجائش ہے، اگر امام وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرے اور امام کے ساتھ تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے۔
(نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۴۵)

## قنوت نازلہ کا حکم:

قنوت صرف وتر کی نماز کے لیے ہے، شوافع کے یہاں روزانہ فجر کی نماز میں بھی قنوت ہے، لیکن احناف کے یہاں جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت یا آفت نازل ہو جائے تبھی فجر کی نماز میں رکوع کے بعد والے قومہ میں امام قنوت نازلہ پڑھے گا: "اللھم اھدنا فیمن ھدیت...... الخ" یا حدیث سے ثابت کوئی دوسری دعا اور مقتدی قنوت نہیں پڑھیں گے، بلکہ سراً آمین کہیں گے۔
(شامی:۱/۴۹۶)

## وتر کے بعد نفل:

احادیث میں وتر کی نماز کے بعد دو رکعت نفل کا بھی ذکر آتا ہے، آنحضرت ﷺ ان دو رکعات کو بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ (مسلم) لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو نے جب خود اپنے لیے اجازت چاہی تو آپ نے وضاحت کردی کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے، لہٰذا یہ دو رکعات بیٹھ کر پڑھی جائیں تو آدھا ثواب ملے گا۔ (مسلم)

**بقیہ: پرسنل لا بورڈ کی ضرورت اور اس کا دائرۂ کار**

......اور اس کے ذریعے اس ملک میں مذہبی حقوق کے تحفظ کے لیے جب ضرورت پڑی کوشش کی گئی اور الحمدللہ کامیابی ہوئی، اس طرح ہمارے اس ملک میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء ادارہ ایک ایسا جامع اور معیّن ادارہ بن گیا جو ہماری اسلامی شریعت کے بقاو تحفظ کا اہم کام انجام دیتا ہے، یہ مسلمانوں کے مشترکہ ادارہ کی حیثیت سے مسلمانوں کے مختلف مسلکوں اور مختلف نقطۂ نظر کی جماعتوں کی پوری نمائندگی رکھتا ہے، اور اس طرح اتفاق و وحدت کے ساتھ مسلمانوں کے مشترکہ مذہبی احکام کے تحفظ کی ذمہ داری انجام دیتا ہے، وہ احکام جن میں مسلکی اختلاف ہے یا نقطہائے نظر کا فرق ہے ان کو انھی مسلکوں اور انھی نقطہائے نظر کی ذمہ داری کے ساتھ مخصوص رکھتا ہے، اور ان میں دخل نہیں دیتا، کیوں کہ وہ احکام ان کے مسلکوں کا داخلی معاملہ ہے جن کو دیکھنے اور فکر کرنے کی ذمہ داری انہیں مسلکوں کے ذمہ داروں کی ہے، اسی طرح ان معاملات میں بھی جو مشترک ملکی معاملات ہیں اور ان میں مسلمان اور غیر مسلمان دونوں یکساں شریک ہیں، ان کو بھی بورڈ ملک کی سیاسی، علاقائی وملکی سطح کی جماعتوں کے ساتھ مخصوص کرتا ہے، اور ان میں دخل دینا اپنا فریضہ نہیں سمجھتا، اس طرح بورڈ کو ملت کے اختلافی و جزئی معاملات میں الجھنے سے اپنے کو محفوظ رکھنے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور بورڈ کی آواز شریعت اسلامی کے معاملات اور ان کے تحفظ کے دائرے میں رہتی ہے، اور وہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی مشترکہ ومتحدہ آواز سمجھی جاتی ہے۔ ہمارے ارکان کرام الحمدللہ بورڈ کے اس نظام ورویہ سے اتفاق رکھتے ہوئے پورا تعاون دیتے ہیں، اور اس طرح بورڈ کو اپنی ذمہ داری انجام دینے میں مدد ملتی ہے، ضرورت ہے کہ بورڈ کو اس کے دائرے میں شامل مسلمانوں کے تمام گروہوں کے ذمہ داروں کی طرف سے یہ تعاون ملتا رہے جو خود مسلمانوں کے مشترکہ معاملات کے لیے تقویت کا ذریعہ ہے اور اس سے اسلامی امت کو اپنی آواز کو مضبوط بنانے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

مختصر تعارف

# آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

۱۹۵۶ء میں جب ''ہندو پرسنل لا'' کو نیا لباس پہنایا جارہا تھا تو اس وقت کے وزیر قانون مسٹر پاسکر نے ضابطۂ دیوانی کو یکساں بنانے کے اقدامات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا: ''سول میرج ایکٹ اور ہندو میرج ایکٹ کا قانون پاس ہو چکا ہے، ہندو قانون وراثت کا مسودہ پارلیمنٹ میں زیر غور ہے، یہ سب ضابطۂ دیوانی کو یکساں بنانے کے اقدامات ہیں''۔

یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ پر اظہار خیال کرتے ہوئے وزیر موصوف نے ان الفاظ میں حکومت کا نقطۂ نظر پیش کیا تھا: ''ہندو قوانین میں جو اصلاحات کی جارہی ہیں وہ عنقریب ہندوستان کی تمام آبادی پر نافذ کی جائیں گی، اگر ہم ایسا قانون بنانے میں کامیاب ہوگئے جو ہماری پچاس فیصد آبادی کے لیے ہو تو باقی آبادی پر اسے نافذ کرنا مشکل نہ ہوگا اور اس قانون سے پورے ملک میں یکسانیت پیدا ہوگی''۔

اس کے ٹھیک چھ سال کے بعد ۱۹۶۲ء میں ''مسلم پرسنل لا'' میں تبدیلی اور یکساں عائلی قانون کی تنفید کا مسئلہ پورے زور وشور کے ساتھ حکومت کی طرف سے اٹھایا گیا، اور اس مسئلہ کا جائزہ لینے، اس پر غور وخوض کرنے اور جلد سے جلد اس کے نفاذ کی کوئی مناسب راہ نکالنے کے لیے ایک کمیشن مقرر کرنے کی تجویز رکھی گئی، لیکن مسلمانوں کی شدید مخالفت، مضبوط موقف اور سخت رویہ کو دیکھتے ہوئے حکومت کو پسپائی پر مجبور ہونا پڑا، لیکن چند دن کی خاموشی کے بعد ۱۹۷۲ء میں پارلیمنٹ میں ''متبنیٰ بل'' پیش کرتے ہوئے اس وقت کے وزیر قانون مسٹر گوکھلے نے پھر سے اس مسئلہ کو زندہ کرنے کی کوشش کی، چنانچہ انہوں نے کہا: ''یہ مسودہ قانون یکساں سول کوڈ کی طرف ایک مضبوط قدم ہے''۔

اسی سال ۱۹۷۲ء میں لا کمیشن کے چیرمین مسٹر گجیندر گڈکر نے ہندوستان میں یکساں سول کوڈ کی پُر زور وکالت کرتے ہوئے اس کو ہندوستان کی سالمیت، وحدت اور یکجہتی کے لیے ناگزیر قرار دیا، ان کا کہنا تھا: ''اگر مسلمانوں نے خوش دلی کے ساتھ یکساں سول کوڈ قبول نہیں کیا تو قوت کے ذریعہ یہ قانون نافذ کیا جائے گا''۔

مسٹر پاسکر، گوکھلے اور لا کمیشن کے چیرمین گجیندر گڈکر کے یہ بیانات حکومت ہند کی پالیسی کی پوری ترجمانی کررہے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں حکومت کے معاندانہ موقف کی طرف اشارہ کررہے تھے، اور دوسری طرف حکومت کے پروردہ کچھ نام نہاد مسلمان جو اسلامی شریعت سے ناواقف، قرآنی تعلیمات سے بیگانہ اور اسلامی طرز زندگی سے ناآشنا تھے حکومت کی آواز میں آواز ملا رہے تھے، اور اس کو روشن خیالی اور ترقی پسندی سمجھ کر مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا پُر زور مطالبہ کررہے تھے کیونکہ دستور ہند کی دفعہ ۲۵/اور ۲۹ کی رو سے ہر شخص کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل تھی، چنانچہ حکومت کی یہ کوشش تھی کہ مسلمانوں ہی میں ایسے افراد تیار کیے جائیں جو مسلم پرسنل لا میں ترمیم وتبدیلی کا مطالبہ کریں تاکہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا الزام حکومت کے سر نہ آسکے۔

ایک طرف پارلیمنٹ اور اخبارات میں حکومت کے ذمہ داران کی طرف سے اس طرح کے بیانات دے کر مسلم پرسنل لا کے ترمیم کے لیے راہ ہموار کی جارہی تھی اور کچھ ضمیر فروش اور آخرت فراموش کی طرف سے اس کا مطالبہ کروا کر اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی تھی اور دوسری طرف سرکاری ملازمین کے لیے ایسے سرکلر جاری کیے جارہے تھے اور پارلیمنٹ میں ایسے بل پیش کیے جارہے تھے جو براہ راست مسلم پرسنل لا پر اثر انداز ہورہے تھے اور ان سے مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا دروازہ کھل رہا تھا اور ہندو پرسنل لا کے عمومی نفاذ کے لیے راستہ ہموار ہورہا تھا، اس سلسلہ میں سب سے پہلا سرکلر جو حکومت کی طرف سے جاری ہوا وہ یہ تھا کہ سرکاری ملازمین حکومت کی اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کرسکتے، جبکہ اسلام

ایک مرد کو چار شادیوں تک کی اجازت دیتا ہے، اس طرح حکومت ہند نے اپنے اس سرکلر کے ذریعہ شادی کے سلسلے میں اسلامی قانون کی منسوخی اور ہندو پرسنل لا کے عمومی نفاذ کا اعلان کر دیا۔

۱۹۷۲ء میں پارلیمنٹ میں متبنیٰ بل کا مسودہ پیش کیا گیا جس کے ذریعہ گود لیے بچے کو وراثت کے وہ تمام حقوق دینے کی کوشش کی گئی جو اسلامی قانون کی رو سے صرف حقیقی اولاد ہی کو حاصل ہو سکتے ہیں، اس طرح اس بل کے راستے سے اسلامی قانون وراثت کو بے اثر کرنے کی ایک کوشش کی گئی۔

## مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام

یہ وہ حالات تھے جن سے ہندوستانی مسلمان آزادی کے کچھ ہی عرصے کے بعد دوچار ہونے لگے تھے، علمائے کرام، قائدین ملت، ماہرین قانون اور قابل اعتبار مسلم دانشوروں نے حالات کی سنگینی کو محسوس کیا اور اس خطرہ کو بھانپ کر اس کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان عمل میں نکل آئے۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اگر اس طرح مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا مطالبہ ہوتا رہا اور اس میں مداخلت کا یہ سلسلہ چلتا رہا تو ایک وقت وہ آئے گا کہ اسلام ایک عقیدہ کی شکل میں تو باقی رہے گا لیکن اس کی تہذیب، اس کی ثقافت، اس کی معاشرت، اس کے آداب اور اس کی طرز زندگی سے مسلمانوں کا کوئی تعلق باقی نہ رہے گا اور اس طرح اس ملک میں جس کا یہ مزاج رہا ہے کہ یہاں جو قوم آئی وہ اپنی خصوصیات، امتیازات اور تشخصات کھو بیٹھی، مسلمان بھی نہ صرف یہ کہ اپنی شناخت، اپنا تشخص اور اپنی انفرادیت کھو بیٹھے گا بلکہ یہاں کی اکثریتی فرقہ میں ضم ہو کر اور ان کی دیو ملائی تہذیب قبول کر کے اپنے عقیدۂ توحید سے بھی دستبردار ہو جائے گا اور اس کا وہ ملی وجود جو اس کی زبان، اس کے عائلی نظام اور اس کی معاشرتی طور و طریق کی وجہ سے برقرار ہے ایک دن ختم ہو جائے گا، وقت کی اس نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں ایک مشاورتی جلسہ ہندستان کے سب سے بڑے عالمی مرکز دار العلوم دیوبند میں ہوا اور پھر ۲۷/۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء کو عروس البلاد بمبئی میں حکومت پر دباؤ ڈالنے، مسلمانوں کو درپیش خطرات سے آگاہ کرنے اور مسلم پرسنل لا کی اہمیت سے ان کو واقف کرانے کے لیے ایک تاریخ ساز کنونشن ہوا جس میں مسلمانوں نے علاقائی، لسانی، مسلکی، فکری اور نظریاتی اختلافات سے بلند ہو کر پوری قوت و ہم آہنگی کے ساتھ اپنے اس موقف کا اعلان کیا کہ:

''شریعت اسلامیہ کے احکام وحی الٰہی پر مبنی ہیں، ان میں نہ کوئی کمی ہے جسے پورا کرنے کی ضرورت ہو اور نہ کوئی زیادتی ہے جسے کم کرنے کی حاجت پیش آئے''۔

اس تاریخ ساز اور عہد آفریں کنونشن کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ اس نے ''آل انڈیا پرسنل لا بورڈ'' کو جنم دیا لیکن اس بورڈ کی باضابطہ تشکیل اپریل ۱۹۷۲ء میں حیدرآباد کے اجلاس میں ہوئی، جس میں ہر حلقہ اور ہر مکتب فکر کے ۱۰۰ افراد بورڈ کے ارکان منتخب ہوئے، اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اس کے صدر اور حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ اس کے جنرل سکریٹری قرار پائے۔

## مسلم پرسنل لا بورڈ کا طریقۂ کار

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لیے جو راہیں اپنائیں اور اس کی حفاظت کے لیے جو تدابیر اختیار کیں ان کو تین اجزا میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱- مسلمانوں کو مسلم پرسنل لا سے واقف کرانا اور ایسی فضا تیار کرنا کہ مسلمان شرعی قوانین پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی گزارنے پر فخر محسوس کریں اور اپنی زندگیوں سے یہ اعلان کریں کہ خدائی قانون کی موجودگی میں انہیں کسی انسانی قانون کی ضرورت نہیں کیونکہ مسلمانوں کا یہ طرز عمل مسلم پرسنل لا کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

۲- ممتاز ماہرین قانون کی خدمت حاصل کر کے صوبائی و مرکزی قانون ساز اداروں کے بنائے ہوئے قوانین اور عدالتی فیصلوں کا جائزہ لینا اور شریعت سے متصادم سرکاری قوانین اور عدالتی فیصلوں کے خلاف قانونی کارروائی کر کے ان قوانین اور فیصلوں پر روک لگانا۔

۳- بات چیت کے ذریعہ اور ضرورت پڑنے پر منظم جدوجہد اور ملک گیر عوامی تحریک کے ذریعہ حکومت کو یہ سمجھانے کی کوشش کرنا کہ مسلم پرسنل لا کی حیثیت ہندو پرسنل لا سے جداگانہ ہے، اس کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہے جس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، اس میں نہ

تنگی ہے اور نہ کسی کی حق تلفی، اس میں انسانی مزاج، اس کی طبیعت اور اس کی صلاحیتوں کی پوری رعایت موجود ہے، اور مسلمان کسی بھی ضرورت میں پرسنل لا میں مداخلت برداشت نہیں کرے گا اور پرسنل لا میں مداخلت دین پر حملہ تصور کیا جائے گا۔

## درپیش خطرہ

اب اسلامی عناصر نے اسلامی شریعت کے خلاف محاذ کھولنے کے لیے صنف نازک کا سہارا لیا ہے، شریعت پر پے در پے حملوں کے باوجود اپنی مسلسل ناکامی کے بعد اگر ان کو کہیں امید کی کرن پھوٹتی نظر آتی ہے تو وہ خواتین سے متعلق شرعی احکام ہیں، جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ شرعی احکام زمانہ کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتے اور عورت کو پابندی کی زنجیر پہنا کر سماج کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں یہ قوانین اور عورت کی آزادی سلب کرتے ہیں، ملازمت کے دروازے ان پر بند کرتے ہیں، مرد کے ماتحت رہنے پر اس کو مجبور کرتے ہیں، پردے کی پابندی کروا کر اس کی صلاحیتوں کو کچلتے ہیں اور مرد عورت کے درمیان مساوات نہیں برتتے۔

عورت کے حقوق کی آواز اٹھانے والی یہ لادینی طاقتیں اپنی تمام تر کوشش کے باوجود جب مسلمان عورت کے دل سے شرعی قوانین کے اہمیت نہ نکل سکی تو انہوں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ عورت پر یہ ساری پابندیاں علماء کی تنگ نظری کا نتیجہ ہیں اور علماء عورتوں کے سلسلہ میں وارد اسلامی قوانین کی غلط تشریح کر کے اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں، اس طرح اس طبقہ نے خواتین کو علماء سے بدظن کرنے اور ان کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش کی، اور وہ عورت جو شریعت کے لحاظ میں ہر شرعی حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیتی تھی اس کو علماء کا فیصلہ اور ان کا حکم سمجھ کر اس کے خلاف آواز اٹھانے لگی اور اس طرح وہ دھیرے دھیرے شرعی احکام کے خلاف ورزی کی مرتکب ہوتی گئی۔

## ضرورت

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ اس مسئلہ کی طرف خاص توجہ دے کہ اگر عورتوں میں یہ بدگمانی بڑھی، علماء سے ان کا رشتہ ٹوٹا، شریعت پر سے ان کا اعتبار اٹھا اور اسلامی تعلیمات کے علمائی ہونے کا خیال ان کے دل میں آیا تو پھر مسلم معاشرہ ایک بڑے خطرے سے دوچار ہو جائے گا اور جگہ جگہ شریعت کو بغاوت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ عوامی تحریک چلا کر خواتین میں کام کیا جائے اور اسلام کے عطا کردہ حقوق سے ان کو باخبر کیا جائے، ترقی کے نام پر استحصال کی جو کوشش کی جارہی ہے اس سے ان کو آگاہ کیا جائے، غیر اسلامی معاشرہ میں ان کو جن زیادتیوں، حق تلفیوں اور ناانصافیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس کی مثالیں ان کے سامنے لائی جائیں، ان کی بدحالی، حقوق کی پامالی اور مرد کے ہاتھوں ان کی ذلت و رسوائی کی وہ تصویر پیش کی جائے جو اسلام آمد سے پہلے دنیا نے دیکھی تھی تاکہ شریعت پر ان کا اعتماد بحال ہو اور آزادی کے ان پُر فریب نعروں کی حقیقت وہ سمجھ سکیں۔

اور ۱۸۶۴ء میں زبردست قدم اٹھاتے ہوئے مسلمان قاضیوں کی تقرری منسوخ کر دی گئی، ۱۹۳۷ء تک ہندوستان کے تمام باشندے وضعی قوانین کے مطابق فیصلے کرانے پر مجبور تھے، پھر ۱۹۳۷ء میں عائلی قوانین یعنی وراثت، نکاح، فسخ نکاح، طلاق، ایلاء، ظہار، لعان، خلع، مبارات، نفقہ، مہر، ثبوت نسب، امانت، جائداد، حق شفعہ، ہبہ اور اوقاف کے معاملات شرعی قوانین کے مطابق کرنے کے لیے ''شریعت ایکٹ'' منظور ہوا، لیکن قاضیوں کا بندوبست اس ایکٹ میں بھی نہیں تھا، مسلم پرسنل لا کے نام سے کچھ جزوی ترمیمات کے ساتھ یہ ایکٹ آج بھی نافذ ہے، لیکن اوپر عرض کیا گیا کہ غیر مسلم جج کو تفریق کا اختیار نہیں۔

اس چیز کو ۱۹۳۷ء ہی سے محسوس کیا گیا، حکومت سے قاضیوں کے تقرری کے لیے قانون بنانے کا مطالبہ بھی کیا گیا، لیکن بعض مسلمان ممبران ہی کی مخالفت کے سبب یہ مطالبہ مانا نہ جاسکا، ورنہ کچھ اور کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی، اس سے مایوسی کے بعد مولانا المحاسن سجاد احمدؒ نے بعض فقہی عبارت کا سہارا لے کر یہ مہم چلائی کہ قضاء کا قیام اسلام کا ایک اہم ترین حکم ہے، لہٰذا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ جب حکومت قاضی مقرر نہیں کر رہی ہے تو وہ اپنے طور پر والی مقرر کریں جو قاضیوں کا تقرر کریں، اس لیے کہ (باقی صفحہ ۲۰ پر)

# دنیا کی حقیقت

محمد امین حسنی ندوی

قرآن مجید میں دنیا کی حقیقت کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے!
إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (یونس ۲۴)
دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ہم نے اوپر سے پانی برسایا تو اس سے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہوگیا جس کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک جب زمین اپنی سج دھج دکھاتی ہے اور وہ لہلہا اٹھتی ہے اور اس کے مالک سمجھ لیتے ہیں کہ اب وہ ان کے ہاتھوں میں ہے تو رات میں یا دن میں ہمارا فیصلہ آپہنچتا ہے بس ہم اس کو بھوسا بنا کر رکھ دیتے ہیں جیسے کل وہ کچھ تھی ہی نہیں اس طرح ہم آیتیں ان لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔
اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (الحدید ـ ۲۰)
جان رکھو کہ دنیا کی زندگی کھیل کود، تفریح، تماشہ، زیب وزینت، اور تمہارے درمیان فخر ومباہات اور مال واولاد کی کثرت کی ریس ہے، ایسے ہی جیسے اچھی بارش کے پودے کسانوں کو اچھے لگتے ہیں، پھر کھیتی پکتی ہے، پھر زرد پڑجاتی ہے، پھر کچرا بن جاتی ہے، اور آخرت میں (ایسے دنیا داروں کو) سخت سزا ملتی ہے (دوسری طرف دینداروں اور تقوی شعاروں کو) مغفرت اور اللہ کی خوشنودی سے نوازا جاتا ہے، اور دنیا کی زندگی (جس میں فکر آخرت نہ ہو) محض دھوکہ کا سودا ہے۔

إِنَّمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ (غافر، ۳۹) ''یہ دنیا کی زندگی تو بس ایک عارضی سامان ہے اور آخرت ہی اصل ٹھکانے کا گھر ہے''۔
وَمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (العنکبوت، ۶۴)
''اور یہ دنیا کی زندگی تو کھیل تماشہ ہے آخرت کی زندگی اصل زندگی ہے کاش وہ اس حقیقت کو جانتے''
یہ ہے حقیقت اس زندگی کی، جس کے بارے میں ہم یہ تک نہیں جانتے کہ وہ کہاں گذرے گی، کیسے گذرے گی، کب تک رہے گی، کتنا ہنسائے گی، کتنا رلائے گی، کتنا غم دے گی، کتنی خوشیاں دے گی، ختم ہوگی تو کب ختم ہوگی، اور کہاں ختم ہوگی، خاتمہ اس کا دوستوں کے ساتھ قہقہہ لگاتے ہوئے ہوگا یا بستر پر سوتے ہوئے، بازار میں سامان خریدتے ہوئے ہوگا یا ہسپتال میں کراہتے ہوئے۔
ہم اپنی خواہشات میں کچھ اس طرح ڈوب جاتے ہیں کہ ہم کو یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ ہم صحیح کررہے ہیں یا غلط، ہم غلط کرتے ہیں، جانتے بوجھتے کرتے ہیں، اپنے دل کو تو مطمئن نہیں کرپاتے ہاں دوسروں کو مطمئن کرنے کے لیے بیجا تاویلات کا سہارا ضرور لیتے ہیں۔
زندگی اور موت کا عجیب معاملہ ہے دونوں ایک دوسرے کی ضد لیکن دونوں ایک دوسرے کے لیے ناگزیر، زندگی ہے تو موت آئے گی، موت کو آنا ہے تو زندگی ملے گی، جب یہ طئے ہے تو موت سے اتنی غفلت کیوں اور زندگی پر ساری توجہ کیوں؟ عقلمند ہے وہ شخص جس کو زندگی ملی تو اس نے موت کو یاد رکھا اور جس نے موت کو یاد رکھا وہی زندگی میں کامیاب رہا'' الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله الاماني" (ترمذی) ''عقلمند انسان وہ ہے جس نے اپنے نفس پر قابو پالیا اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے محنت کی اور بیوقوف انسان وہ ہے جو اپنے نفس پر چلا اور اس کی خواہشات کی فکر میں رہا اور اللہ تعالی پر تمنائیں باندھیں''۔
انسان کو اگر مرنے پر اختیار دیا جائے تو شاید ہی کوئی ایسا ہو جو موت کو قبول کرنے پر تیار ہو، انسان بستر مرگ پر ہے، تکلیفوں

سے تڑپ رہا ہے، جسم ہے کہ جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے، کراہتے کراہتے بے دم ہو رہا ہے، لیکن اگر موت کا فرشتہ اس سے پوچھے کہ کیا اس دنیا سے رخصت ہونے کی خواہش ہے تو وہ یہی کہے گا! نہیں، ہرگز نہیں!!

انسان بچپن گذارتا ہے کھیل کود میں، جوانی کمانے میں، بڑھاپا گھر تاکنے میں، پیسے کی ہوس ہے کہ کم نہیں ہوتی، گھر بناتا ہے تو بے گھر لوگوں کو سوچتا نہیں، گھر کیا بناتا ہے، محل بناتا ہے غریبوں کی جھونپڑے اجاڑ کر اور ان کے حصہ کی زمین ناجائز طریقہ سے دبا کر، وہ بارات لے کر نکلتا ہے پیسوں کو دھوئیں کی شکل میں اڑاتا ہوا، دوسروں کے جذبات کو اپنی انا کے ہاتھی سے کچلتا ہوا، راستہ میں کتنے ایسے گھر پڑتے ہیں جہاں جوان بیٹیاں اپنی بارات کا انتظار میں کب سے بیٹھی ہیں، ان کے بوڑھے ماں باپ دھوم دھام سے نکلتی باراتوں کے اس شور وغل میں اپنی بیٹیوں کے چہروں پر مایوسی کا سایہ دیکھ کر آہستہ آہستہ قبرستان کی طرف اپنے قدم بڑھا دیتے ہیں۔

بارات کے ذریعہ اپنی شان دکھانے والا، اور جہیز کی بھیک مانگ کر اپنا محل بھرنے والا کبھی یہ نہیں سوچتا کہ اس موقع پر کسی کی بیٹی کی آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو کا ایک قطرہ اور اس کے بوڑھے ماں باپ کے دل سے نکلی ایک کراہ اس کی بارات کو کہاں سے کہاں پہنچا سکتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص سے زیادہ کسی پر تعجب نہیں ہوتا جو دنیا کی محبت گناہ کبیرہ نہیں سمجھتا، دنیا کی محبت کبیرہ گناہ ہے، کیوں کہ وہ سیکڑوں نہیں ہزاروں گناہوں کا راستہ دکھاتی ہے اور صرف دکھاتی نہیں بلکہ اس راستہ پر چلاتی ہے اور چلاتی ہی نہیں دوڑاتی ہے۔

انسان کو صرف اپنی خواہشات کی فکر ہوتی ہے، دنیاوی لذتیں اس کے پیش نظر ہوتی ہیں، اس کا دل ہر وقت یہ چاہتا ہے کہ کاش موت ٹل جائے، کاش موت سے چھٹکارا مل جائے، اللہ تعالیٰ نے یہ زندگی ایک وقت مقررہ کے لیے دی ہے، اور یہ عقل کے موافق بات ہے کیوں کہ اگر یہ موت نہ ہوتی تو انسان دنیا میں فرعون بن جاتا، یہ موت اس کو انسان بناتی ہے، اور دنیا میں ایک یہی موت ہے جو ہر کسی کو لپکتی ہے یہ کسی کو نہیں چھوڑتی ہے اس کی کسی سے دوستی نہیں اس کا کسی سے تعلق نہیں کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی یہ اپنا راستہ خود بناتی ہے اپنا طریقہ خود منتخب کرتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو فرعون کو موت نہ آتی، ہامان نہ مرتا، شداد اپنی جنت کے مزوں میں ہوتا، یہ موت سب کو پکڑتی ہے البتہ کسی کی موت عزت سے ہوتی ہے اور کسی کی ذلت سے۔

دیکھیے قرآن کریم موت کی اس حقیقت کو کیسے یہاں بیان کرتا ہے ﴿أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النساء/۷۸)﴾ "تم جہاں بھی رہو، موت سے چھٹکارا نہیں، چاہے مضبوط قلعہ میں رہو"

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (جمعه ۸)

"ان سے کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تو آ کر رہتی ہے، اور پھر تمہیں "عالم الغیب والشھادۃ" ہر ظاہر و باطن کے جاننے والے رب کے حضور حاضر کیا جائے گا، اور وہ تمہارے کاموں کا کچا چٹھا تم کو بتا دے گا"

زندگی کیسی گذاری جائے، دنیا میں کیسے رہا جائے، خواہشات پر قابو کیسے پایا جائے، مچلتے نفس کو کیسے منایا جائے، دیکھئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی عمدہ بات کہی اور کتنے اختصار سے کہی!

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے مونڈھے کو پکڑا اور فرمایا دنیا میں اس طرح رہو جیسے پردیسی رہتا ہے یا راہ گیر"

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار مت کرو اور جب صبح کرو تو شام کے منتظر نہ رہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو وصیت کی کہ دنیا ایک بڑی عمارت ہے اس سے عبرت حاصل کرو اس کو آباد مت کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام سے کہا گیا اے سب سے لمبی عمر پانے والے آپ نے دنیا کو کیسے پایا؟ فرمایا! ایک گھر کی طرح جس میں دو دروازے ہیں انمیں پہلے سے میں داخل ہوا اور دوسرے سے باہر نکل گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دنیا پیچھے کی طرف ہٹی اور آخرت آگے کی طرف بڑھی اور ان دونوں کے پاس کچھ لوگ ہیں تو تم آخرت والے بنو اور دنیا والے نہ بنو آج عمل ہے حساب نہیں اور کل حساب ہوگا عمل نہیں۔

# طلاق کب اور کیسے؟

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ (ﷺ) قَالَ: أَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلیٰ اللّٰهِ تَعَالیٰ الطَّلَاقُ. (أبو داؤد: ۲۱۸۰)

**ترجمہ:-** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

**فائدہ:-** طلاق کے معنی چھوڑنے کے ہیں، شرعی اصطلاح میں رشتۂ زوجیت کے ختم ہونے کو ''طلاق'' کہتے ہیں، شریعت اسلامیہ میں طلاق کا جامع قانون انسانی سماج کی ضرورت کے پیش نظر نہایت اہمیت کا حامل ہے، بسا اوقات ازدواجی زندگی میں ایسے مراحل بھی آجاتے ہیں کہ جان پر کھیل جانا آسان معلوم ہوتا ہے، مگر میاں بیوی کا ایک ساتھ رہنا مشکل! بعض دفعہ تفریق نہ ہونے کی صورت میں اس بات کا بھی قوی اندیشہ ہوتا ہے کہ کئی افراد اس جھگڑے کی بھینٹ نہ چڑھ جائیں، اخبارات کی شہ سرخیاں اس بات کا بین ثبوت ہیں، دین اسلام میں اسی سنگین صورت حال کے پیش آنے پر پیار ومحبت کے رشتہ میں ایک دروازہ ''طلاق'' کے عنوان سے بھی رکھا گیا ہے، جسے انتہائی درجہ میں استعمال کی ہدایت دی گئی ہے اور وہ بھی بہت سی پابندیوں اور شرائط کے ساتھ، تاکہ انسانی سماج ہر قسم کے بگاڑ اور آپسی کشمکش سے محفوظ رہے۔

طلاق کے باب میں اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز مگر ایک ناپسندیدہ عمل ہے اور شیطان کے لیے خوشی ومسرت کا قیمتی سامان، صحیح مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ شیطان اپنے کارندوں میں سے کسی سے اتنا خوش نہیں ہوتا، جتنا اس شخص سے ہوتا ہے جو شوہر بیوی کے درمیان تفریق کرائے، اسی لیے شریعت میں ایسے سنگین عمل کے متعلق سخت تعلیمات وارد ہوئی ہیں، تاکہ لوگ اس عمل کو کھیل نہ سمجھ بیٹھیں، ایک روایت میں آتا ہے کہ جو لوگ اس رشتہ کو بہت معمولی سمجھ کر اپنے مزے میں محض جدت کی خاطر طلاق دینے میں ذرا بھی باک نہیں رکھتے، وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہیں گے۔

شوہر بیوی کے رشتہ میں اگر کوئی ناچاقی والی بات پیدا ہو جائے تو اس کے لیے پہلا مرحلہ طلاق نہیں بتایا گیا، بلکہ قرآنی حکم یہ ہے کہ اولاً دونوں کو آپس ہی میں اپنی غلطی پر غور کرنا چاہیے، اور کوشش یہ ہونی چاہیے کہ دونوں خاموشی کے ساتھ خود ہی سے مسئلہ حل کر لیں، لیکن اگر یہ صورت ناکافی نظر آتی ہو تو کہا گیا ہے کہ خاندان کے بااثر لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر معاملہ کی صلح صفائی کی کوشش کریں، اگر اس سے بھی کوئی حل نہ نکلتا ہو تو بدرجہ مجبوری سنت طریقہ کے مطابق طلاق کی اجازت ہے۔

طلاق کا سنت طریقہ یہ ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ ہرگز نہ دی جائیں، طلاق عورت کے مخصوص ایام میں نہ دی جائے، بلکہ پاکی کے ان ایام میں صرف ایک طلاق دی جائے جن میں وہ بیوی کے قریب نہ گیا ہو، پھر اگر ضرورت محسوس ہو اور ایک طلاق کے بعد بھی بات نہ بن پاتی ہو تو طہارت کے دوسرے ایام میں دوسری طلاق دی جائے، اسی طرح تیسری طہارت میں تیسری طلاق، اب اگر کوئی شخص سنت کے اس طریقہ سے ہٹ کر ایک ہی مجلس میں تین طلاق دیتا ہے تو وہ سخت گناہ کا مرتکب ہوگا اور لعنت خداوندی کا مستحق، اگرچہ ایسی صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

طلاق کے مسئلہ میں یہ بات بھی اہمیت کی حامل اور صنف نازک کے حق میں احسان عظیم ہے کہ اس کی کنجی مرد کے ہاتھ میں رکھی گئی، جس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر مرد جذباتیت سے دور اور فیصلہ میں حساس ہوتے ہیں، جب کہ عورت کے اندر طبعی طور پر اس کی صلاحیت کم ہے، البتہ اگر کبھی ایسی صورت پیش آجائے کہ عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ نباہ مشکل ہو رہا ہو اور وہ جدائی چاہتی ہو، تو شریعت نے ایسی مجبوری میں عورت کے لیے کچھ شرائط کے ساتھ خلع کی شکل رکھی ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ جس منصفانہ قانون میں بہت سی انسانی مشکلات کا حل موجود ہے، آج اسی کے متعلق اکثر لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں، کچھ اس قانون کو خواتین کے حق میں سرے سے غلط اور ناانصافی سمجھتے ہیں، تو کچھ اس حساس اور سنگین عمل کو تفریح کا سامان۔

# یکساں شہری قانون
## {Uniform Civil Code}

محمد نفیس خاں ندوی

یکساں شہری قانون سے مراد وہ سماجی اور عائلی قوانین ہیں جو کسی بھی مخصوص خطۂ زمین پر آباد لوگوں کے لیے بنائے گئے ہوں، ان قوانین میں ہر فرد کے شخصی اور خاندانی معاملات بھی شامل ہیں، ان قوانین کے نفاذ میں کسی شخص کے مذہب وتہذیب یارسم ورواج کا خیال نہیں کیا جاتا بلکہ ان چیزوں سے بالکل الگ ہوکر ہر مذہب کے ماننے والوں کو یکساں قانون ''یونیفارم سول کوڈ'' کا پابند ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے جس کے ذیل میں وہ سارے امور بھی اجاتے ہیں جن کا تعلق پرسنل لا سے ہوتا ہے۔

ہندستان میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا مطلب ہر مذہب کے ماننے والوں کو اور خاص کر مسلمانوں کو اپنے پرسنل لا سے دستبردار ہونا ہے، اور ایسے قوانین کا پابند ہونا ہے جو مغربی فکر کے سانچہ میں ڈھل کر تیار ہوا ہے، اور جسے ''ہندو کوڈ'' کے نام سے جانا جاتا ہے کیونکہ جب حکومت کے لیے اس کی راہیں ہموار ہوں گی تو وہ موجودہ ہندو کوڈ کو ہی سول کوڈ کا نام دے گی جس کی بنیاد دراصل ہندو مذہب کی تعلیمات نہیں بلکہ مغربی نظریات ہیں۔

یکساں سول کوڈ کے ذریعہ مسلمانوں کے ملی تشخص اور دینی شناخت کو ختم کرنے کی ایک کوشش ہے، اسپیشل میرج ایکٹ اور انڈین سیکشن ایکٹ ذریعہ اس کو بخوبی سمجھا کا سکتا ہے، اس کے تحت بین المذاہب شادیاں ہوسکتی ہیں، میرج ایکٹ کے تحت شادی کرنے والوں پر قانون میراث لاگو نہیں ہوگا، اسی طرح شادی کے تین سال بعد تک میاں بیوی میں علیحدگی کی کوئی گنجائش نہیں، طلاق کا اختیار صرف مرد کو نہیں ہے بلکہ مرد اور عورت میں سے جو بھی طلاق لینا چاہے وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا کر اور اپنے مطالبہ کو درست ثابت کرکے علیحدگی حاصل کرسکتا ہے۔

اسی طرح انڈین سیکشن ایکٹ کی پہلی دفعہ کے مطابق ہر شخص کو وصیت کرنے کا حق حاصل ہے، اور وہ چاہے جس کے لیے وصیت کرے اور چاہے جتنی مقدار میں کرے، اس کے علاوہ مرنے والے کی ماں، بیوی، بیٹا اور بیٹی سب کو برابر حق دیا جائے گا۔ یہ اور اس طرح کے بہت سے قوانین ہیں جو مسلم پرسنل لا کے بالکل مخالف ہیں، اسی لیے یکساں سول کوڈ کا مطلب مسلمانوں کے پرسنل لا میں سیدھے مداخلت ہے۔ اور ان قوانین کے قبول کرنے کا مطالبہ کرنا نہ صرف یہ کہ مذہبی آزادی پر روک ہے بلکہ عقیدہ وضمیر کی آزادی سے بھی محروم کرنے کے مرادف ہے، اور درحقیقت ملک کی حقیقی جمہوریت کو تاراج اور سیکولر کردار کو مسخ کرنے کی ایک سازش ہے۔

ایک عرصہ سے ملک کا ایک طبقہ جس میں بڑی تعداد ہندؤوں کی ہے اور کچھ مسلمانوں کی اسے نافذ کرنے کے لیے ذہن سازی کی پوری کوشش کررہا ہے، کچھ لوگ طاقت کے زور پر اس کے نفاذ کا مشورہ دیتے ہیں، کچھ اصلاح کے نام پر اس کی راہ ہموار کررہے ہیں، اور کچھ حالات کا تقاضہ بتلا کر اس کے نفاذ کی سفارش کررہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کا ضمیر وخمیر مغربی سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے، مغرب سے الگ ہوکر نہ ان کے پاس کوئی دعوت ہے، نہ کوئی پیغام ہے، اور نہ کوئی تعلیم، جس طرح وہاں مذہب کو ایک پرائیوٹ معاملہ سمجھ لیا گیا ہے، اور اس کا دائرہ عبادات اور رسوم کی حد تک محدود کردیا ہے اسی طرح ہندوستان میں بھی سول کوڈ کو نافذ کرکے پوری آبادی کو مغربی دھارے میں ضم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اس کے علاوہ یونیفارم سول کوڈ کی حمایت کی ایک بنیادی وجہ اس ملک کا وہ اہم قانون ہے جو ۱۹۵۴ء اور ۱۹۵۶ء کے درمیان منظور کیا گیا، جس کے نتیجہ میں ہندو پرسنل لا منسوخ ہوا اور اس کی مغرب سے برآمد کردہ پرسنل لا نافذ کیا گیا، اس وقت یہ فضا بنائی گئی کہ جس طرح ہندو پرسنل لا منسوخ کیا گیا اسی طرح مسلم پرسنل لا بھی منسوخ کیا جائے۔ آیئے اس سلسلہ میں دیے گئے دلائل سرسری جائزہ لیتے ہیں:

(۱) آئین ہند کی دفعہ ۴۴ کا تقاضہ ہے کہ حکومت یہ کوشش کرے کہ ملک میں یکساں شہری قانون نافذ ہو:

**"The State shall endeavour to secure for citizens a uniform civil code throughout the territory of India."**

لیکن جس طرح دفعہ ۴۴ کا یہ تقاضہ ہے کہ ملک میں یکساں

شہری قانون نافذ ہو اسی طرح ملک کی دفعہ ۲۵ کہتی ہے کہ ملک کے ہر شخص کو کسی بھی مذہب کے قبول کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی اشاعت کا پورا حق حاصل ہے:

**"Subject to public order, morality and health and to the other provisions of this part,all persons are equally entitled to the freedom of conscience and the right freely to profess, practice and propagate religion."**

یہ دفعہ عام شہری کے ''بنیادی حقوق'' سے متعلق ہے جبکہ دفعہ ۴۴ کا تعلق ''رہنما اصول'' سے ہے۔ اور خیال رہے ''بنیادی حقوق'' کی دفعات ''رہنما اصول'' سے زیادہ اہم ہیں۔ اور مذہب کی آزادی کے ساتھ یکساں شہری قانون کا نفاذ کسی بھی صورت ممکن نہیں۔

(۲) ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے اس لیے ضروری ہے کہ یہاں کے قوانین مذہبی پابندیوں سے آزاد ہوں۔

بلاشبہ ہندستان ایک سیکولر ملک ہے لیکن سیکولرزم کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ملک سے مذہبی آزادی اور سماج سے مذہبی روایات کو کھرچ دیا جائے، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حکومت کا نہ کوئی مذہب ہوگا اور نہ وہ کسی مذہب کی طرفدار ہوگی، اور نہ ہی کسی کے ساتھ کسی مذہب کے ماننے یا نہ ماننے کی وجہ سے کوئی امتیاز برتا جائے گا، سیکولرزم کا صحیح مفہوم یہی ہے اور اسی مفہوم کے تحت ملک کے قوانین بنائے گئے ہیں، اس کے بعد یہ سوال ہی نہیں اٹھتا کہ سیکولرزم کا لازمی تقاضہ ''یونیفارم سول کوڈ'' ہے۔

(۳) مذہبی قوانین پُرانے ہو چکے ہیں، اب وہ عصری تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

یہ حقیقت ہے کہ مذہبی قوانین پُرانے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ منجمد و معطل ہیں، اور ان کی افادیت ختم ہو چکی ہے، کوئی چیز صرف قدیم ہونے کی وجہ سے بے کار نہیں ہوتی اور نہ ہر نئی چیز اس لیے مفید ہو سکتی ہے کہ وہ نئی ہے، بلکہ اس کی حقیقت اور اس کی افادیت کا انصاف کے ساتھ جائزہ لیا جانا چاہیے، اور یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کے قوانین معاشرہ کو اطمینان بخش بنیادوں پر قائم رکھنے اور ترقی دینے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح ان قوانین کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے جو ''نئے قوانین'' کے نام سے پیش کیے جا رہے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ ''یونیفارم سول کوڈ'' کی بنیاد مغرب کے عائلی اور شخصی قانون ہیں، اس لیے پہلے ضروری ہے کہ جن قوانین کو ہندستان میں نافذ کرنے کی جدوجہد کی جارہی ہے اس کا جائزہ ان ملکوں میں لیا جائے جہاں وہ نافذ ہیں، اور یہ بات جگ ظاہر ہے کہ مغرب کا معاشرتی اور عائلی زندگی کی تیلیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہی ہیں، اور شخصی زندگی کا سکون واعتماد رخصت ہو چکا ہے، وہاں پر کسی شخص کا اپنی ازدواجی زندگی میں کامیاب ہونا کسی حیرت انگیز کارنامہ سے کم نہیں۔

اس کے علاوہ مذہبی قوانین کے دو حصے ہیں ایک حصہ بنیادی اور اصولی ہے جس میں کسی قسم کی ترمیم وتبدیلی کی گنجائش نہیں۔ اور دوسرا حصہ وہ ہے جو حالات کے تقاضوں کے مطابق بدلتا رہتا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ مذہب حالات کے تقاضوں کے پورا نہیں کرسکتا ہے بالکل غلط ہے۔

(۴) قومی یکجہتی کے فروغ اور اتحاد کو مضبوط بنیادوں پر پراستوار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں یکساں شہری قوانین نافذ کیے جائیں، کیونکہ مختلف قسم کے شخصی قوانین اختلافات کا ذریعہ بنتے ہیں۔

قومی یکجہتی کا نعرہ ضرور دل فریب ہے لیکن یہ سمجھنا کہ یکساں سول کوڈ کے ذریعہ اس کے لیے راہ ہموار ہو سکتی ہے محض ایک غلط فہمی ہے، کیونکہ اگر عائلی قانون کی یکسانیت اگر قومی یکجہتی پیدا کرسکتی تو صوبہ پنجاب میں سکھ اور ہندو ایک عرصہ تک باہم دست وگریباں نہ رہتے، آسام میں خوں ریزی جاری نہ رہتی، بنگال میں انسانیت کی دھجیاں نہ بکھیری جاتیں اور بنگلہ دیش کا وجود نہ ہوتا، برطانیہ اور جرمنی میں خون کی ندیاں نہ بہتیں، اور دو عالمی جنگوں سے انسانیت کا دامن تار تار نہ ہوتا جبکہ ان ملکوں کا عائلی نظام ایک بلکہ ان کا مذہب بھی ایک ہے، تو اگر پرسنل لا کی یکسانیت قومی یکجہتی اور فرقہ وارانی ہم آہنگی پیدا کرنے میں مؤثر ہوتی تو انسانیت کی تاریخ آج کچھ اور ہی ہوتی۔

قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا ایک بہترین نسخہ دو فرقوں کے درمیان شادی کو کہا جاتا ہے، لیکن یہ دعوی کرتے وقت یہ فراموش

کر دیا جاتا ہے کہ آئے دن ایسی شادیوں کے ٹوٹنے اور خاندان کے بکھرنے کے واقعات معاشرہ میں رونما ہورہے ہیں، اس علاوہ اس بات کو بھی نظرانداز کردیا جاتا ہے کہ اس نسخہ پر ایک ایسی شخصیت نے عمل کیا تھا جسے فرقہ پرستی کی علامت اور ملک کے اتحاد کو ختم کرنے والا اور ملک کی تقسیم کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے، مسٹر محمد علی جناح نے ایک پارسی گھرانہ میں شادی کی تھی اور اسپیشل میریج ایکٹ کے تحت کی تھی، مگر اس سے قومی یکجہتی کو کس قدر فروغ ملا اسے سب جانتے ہیں۔ چنانچہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی کوشش نہ صرف یہ کہ ملک کی سالمیت کے خلاف ہے بلکہ اس کے مستقبل کو خطرہ ہے!!

## یکساں شہری قانون

''جولوگ یکساں سول کوڈ کی بات کرتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ یکساں معاشرتی قوانین سے قومی یکجہتی پیدا ہوگی، اور تمام قومیں ایک دوسرے سے قریب آئیں گی لیکن یہ ایک محض غلط فہمی ہے، اگر معاشرتی قوانین یکساں کر بھی دیے جائیں تو تہذیب وتمدن اور ثقافت کا اختلاف ضرور باقی رہے گا، زندگی میں انسان قدم قدم پر جس چیز سے دوچار ہوتا ہے اور جس چیز سے تعصب اور گروہ بندی پیدا ہوتی ہے وہ 'زبان' ہے، ملک میں کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں، بلکہ آج تک جنوبی ہند کی ریاستوں نے رابطہ کی زبان کی حیثیت سے ''ہندی'' کو قبول نہیں کیا، تو کیا یکجہتی کے نام پر تمام قوموں پر ایک ہی زبان مسلط کردی جائے گی؟! اور اگر ایسا سوچا گیا تو کیا ملک کی قومیت اور سالمیت باقی رہے گی؟!!

اس لیے حقیقت یہ ہے کہ پرسنل لا کی وحدت کی وجہ سے قومی یکجہتی پیدا ہونے کا خیال محض ایک وہم ہے، نہ اس کا کوئی فائدہ ہے نہ اس کی کوئی ضرورت، بلکہ یہ ملک کے لیے سخت نقصان دہ ہے، اس ملک کی اساس ہی کثیر مذہبی جمہوریت کے تصور پر ہے، اسی ہمہ رنگی میں اس ملک کی بقا، اس کی سالمیت اور اس کی خوبصورتی ہے، اور یہی اس دستور کی روح ہے جسے قوم کے معماروں نے خوب سوچ سمجھ کر بنایا ہے۔''

قاضی مجاھد الاسلام قاسمی صاحبؒ
سابق صدر (سوم) آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

**بقیہ: آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ-مختصر تعارف**

...... قاضی کا تقرر سلطان کی طرف سے ہوسکتا ہے، اور خود سلطان مسلمانوں کی نیابت میں قاضی کا تقرر کرتا ہے، لہٰذا جب سلطان موجود نہ ہو تو اس انداز سے بھی قاضی کا تقرر کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ کل ہند پیمانہ پر مولانا کی تحریک کو اس طرح کی پزیرائی نہ مل سکی جس کی وہ مستحق تھی، لیکن یہ مولاناؒ کے اخلاص کا نتیجہ تھا کہ ان کی زندگی ہی میں بہار اور اڑیسہ میں امارت شرعیہ کا ایک مضبوط نظام قائم ہوا جو آج بھی قائم ہے اور روز بروز ترقی کررہا ہے، اس کا مرکزی دار القضاء پٹنہ میں ہے اور شاخیں بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ کے ہر علاقہ میں موجود ہیں، اس نظام کو اتنا وقار حاصل ہے کہ کسی کے لیے وہاں کے فیصلوں سے اختلاف کرنا آسان نہیں ہے، اس کے کئی فیصلوں کے خلاف ملکی عدالتوں میں اپیل بھی کی گئی لیکن دار القضاء کے فیصلے اتنی مستحکم بنیادوں پر قائم تھے کہ کسی بھی فیصلہ کو عدالتوں نے رد نہیں کیا۔

وہاں اس نظام کی کامیابی کو دیکھ کر دوسرے صوبوں کے علماء اور ملت کے قائدین کو بھی حوصلہ ملا، چنانچہ یوپی سمیت ملک کے کئی صوبوں میں دار القضاء قائم کیے گئے، اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے مختلف علاقوں میں دار القضاء کے قیام کو اپنے ایجنڈے میں شامل کرلیا ہے، اور اس کے لیے علاحدہ کمیٹی قائم کردی ہے۔

دور حاضر میں مسلمانوں کی کم از کم ایک تہائی تعداد ہندوستان جیسے ایسے ملکوں میں آباد ہے جہاں زمام اقتدار دوسروں کے ہاتھ میں ہے اور مسلمان اقلیت کی حیثیت میں وہاں آباد ہیں، کیا مسلمانوں کی اتنی غیر معمولی تعداد کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ لوگ اسلام کے عدالتی نظام کی خوبیوں اور برکتوں سے محروم رہیں، کتاب وسنت پر نگاہ رکھنے والا کوئی بھی شخص بلاتامل جواب دے گا کہ نظام قضاء سے روگردانی کسی بھی ملک کے مسلمانوں کے لیے جائز نہیں، لہٰذا اہل حل وعقد پر لازم ہے کہ وہ قضاء کے نظام کو قائم کرنے کی کوشش کریں اور عام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے نزاعات کا تصفیہ ان شرعی عدالتوں ہی سے کرائیں۔

# سیّد احمد شہید اکیڈمی کی اردو مطبوعات

☆حدیث نبوی ﷺ 160/-
از: علامہ عبدالحی حسنیؒ

☆قرآنی افادات (اول) 250/-
☆قرآنی افادات (دوم) 260/-
☆سیرت رسول اکرم ﷺ 200/-
☆اسلام کے تین بنیادی عقائد 80/-
☆مطالعہ حدیث کے اصول ومبادی 30/-
☆مالیات کا اسلامی نظام 30/-
☆تذکرہ مولانا حکیم ڈاکٹر سیّد عبدالعلی 80/-
☆علماء کا مقام اوران کی ذمہ داریاں 110/-
☆مدارس اسلامیہ 130/-
☆نظام تعلیم 60/-
☆اسلام اورعلم 80/-
☆طالبان علوم نبوت (اول) 140/-
☆طالبان علوم نبوت (دوم) 100/-
☆تعمیر انسانیت 130/-
☆حیات عبدالحیؒ 200/-
☆متاع دین ودانش 210/-
☆انسانیت کی مسیحائی 220/-
از: حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

☆خانوادۂ علم اللّٰہی 150/-
☆صادقین صادق پور 55/-
☆مشہد بالاکوٹ 20/-
☆سوانح محمد الحسنیؒ 250/-
از: مولانا محمد ثانی حسنیؒ

☆قرآن آپ سے مخاطب ہے 40/-
☆تذکرۂ حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ 100/-
☆جادۂ فکروعمل 60/-
☆انسانیت آج بھی اسی در کی محتاج ہے 30/-
از: مولانا محمد الحسنیؒ

☆امت مسلمہ (رہبر اور مثالی امت) 110/-
از: مولانا محمد رابع حسنی ندوی

☆تذکرہ مولانا کرامت علی جونپوریؒ 35/-
از: مولانا مجیب اللہ ندویؒ

☆نیک صحبت کی ضرورت 30/-
☆اخلاص اوراس کے ثمرات 30/-
☆مثالی اخلاق 30/-
☆حقیقت توحید 50/-
☆خطبات داعی اسلامؒ (۵/جلدیں) 450/-
☆تذکرہ مفکر اسلامؒ 60/-
☆حقیقی محبت 40/-
☆محبت صحابہؓ 40/-
☆محبت اہل بیتؓ 30/-
☆کاروان انسانیت 60/-
از: مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

☆آسان معانی قرآن 450/-
☆اسوۂ رحمت 40/-
☆حدیث کی روشنی 40/-
☆سوانح مفکر اسلامؒ 300/-
☆حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی دعوت وفکر کے اہم پہلو 200/-
☆اصلاح معاشرہ 80/-
☆اسلامی عقائد-قرآن وسنت کی روشنی میں 70/-
☆صحاح ستہ اوران کے مصنفین 80/-
از: بلال عبدالحی حسنی ندوی

☆تجہیز وتکفین کتاب وسنت کی روشنی میں 50/-
☆مسلکی اختلافات اورراہ اعتدال 150/-
از: مفتی راشد حسین ندوی

☆امام شافعیؒ-مجدد قرن ثانی 200/-
از: عبدالسبحان ناخداندوی

☆تذکرہ حضرت مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلویؒ 140/-
☆سیرت داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ 380/-
☆تاریخ اصلاح وتربیت 400/-
از: محمود حسن حسنی ندوی

ملنے کا پتہ: دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یو.پی.) موبائل:9919331295

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
# Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume: 08 NOVEMBER 2016 Issue: 11

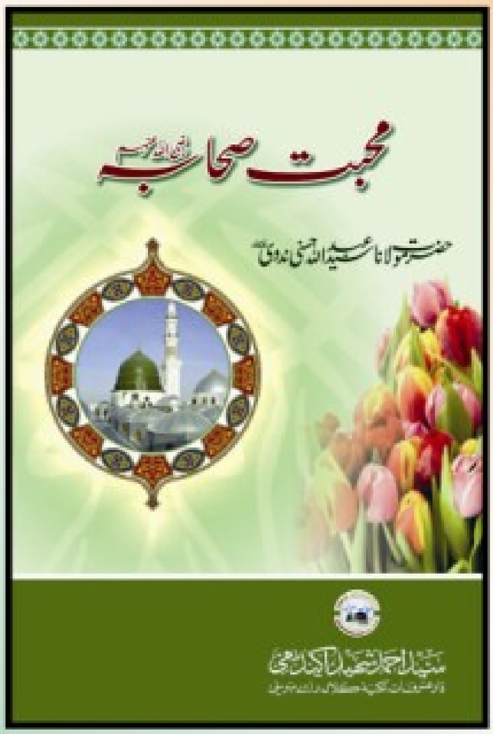


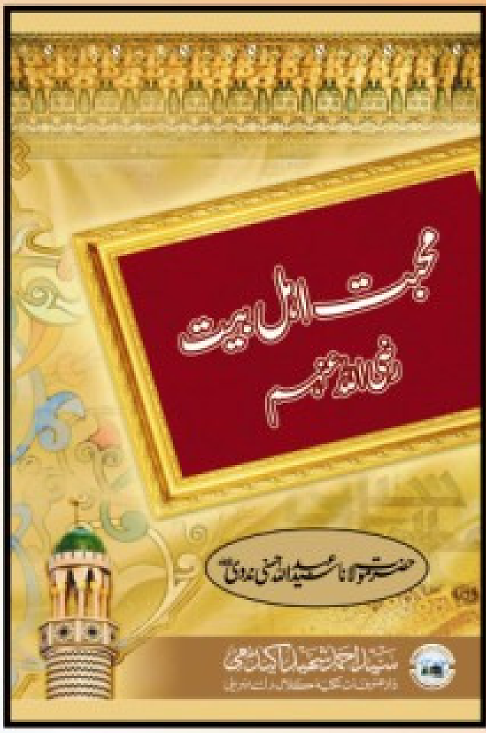


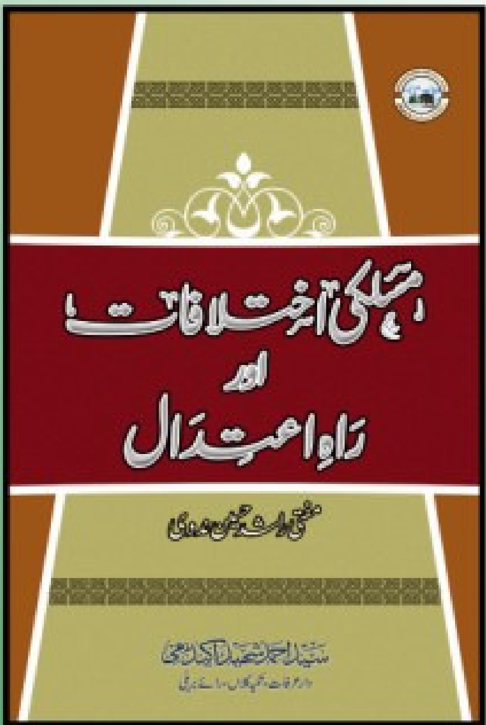


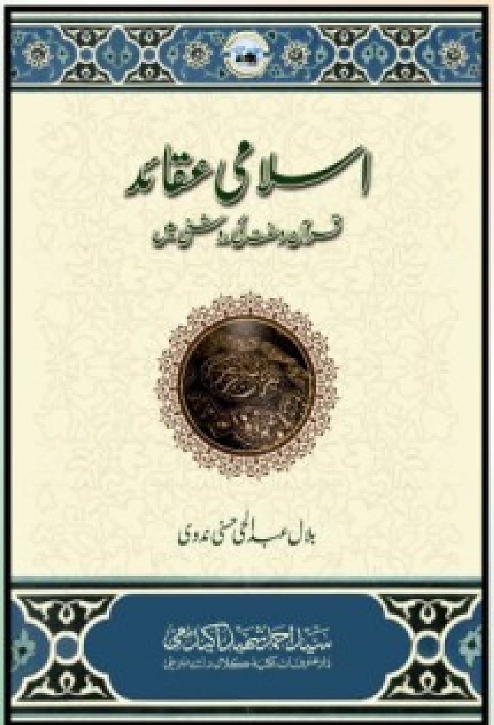


Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
**MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI**
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)